حضرت رابعہ بصری قلندرؒ
مسعود مفتی

حضرت رابعہ بصری قلندرؒ

مسعود مفتی

علم و عرفان پبلشرز

34-اردو بازار، لاہور فون:042-7352332-7232336

نام کتاب	....	حضرت رابعہ بصری قلندرؒ
مصنف	....	مسعود مفتی
ناشر	....	گل فراز احمد
		علم وعرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
سنِ اشاعت	....	نومبر 2010ء
قیمت	....	-/150 روپے

انتساب!

اہل پنجاب کے صوفی شعراء

کے

نام!

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

بزرگانِ دین نعمت غیر مترقبہ ہیں۔ وہ روحانی دنیا کے درخشاں ستارے ہیں۔ ان کے دم سے روحانی دنیا آباد ہے۔ وہ روحانی دنیا کا نظام چلاتے ہیں۔

دنیا میں ہر انسان کو کٹھن مراحل طے کرنے ہوتے ہیں خواہ وہ عظیم انسان ہو یا معمولی انسان ہو......ولی......قطب۔ غوث یا ابدال ہو۔ روحانیت کے جتنے بھی مراحل ہیں ان کو مرحلہ وار طے کرنا ایک مشکل امر ہے۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دن سدا ایک سے نہیں رہتے۔ کل کا زمانہ آج کے زمانے سے مختلف تھا اور غالباً آنے والا کل اور زیادہ کٹھن ثابت ہو۔ مگر زمانے میں وہی لوگ کامیابی کے جھنڈے گاڑتے ہیں جو اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے......یعنی صراط مستقیم پر چلتے ہوئے گزارتے ہیں۔ یہ لوگ سرخرو ہو جاتے ہیں۔

روحانیت ایک ایسی دنیا ہے کہ اس دنیا کا باسی کبھی بھی علم سے مکمل طور پر سیراب نہیں ہو سکتا۔ کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے علم کے تمام مدراج طے کر لیے ہیں بالخصوص روحانی علم کی وسعت کے کیا کہنے۔

حدیث پاک ہے کہ:۔

دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے سکون کی جگہ

انسان کا نفس ہر ایک دنیاوی آسائش کا طلب گار ہوتا ہے۔ ہر انسان دنیا کے آرام و سکون کے حصول کی خاطر دن رات بھاگ دوڑ کرتا ہے حتیٰ کہ وہ حرام حلال کی تمیز بھی کھو بیٹھا۔ سب سے مشکل کام اپنے نفس کی نفی کرنا ہے اور یہی سب سے بڑا جہاد بھی ہے۔ بزرگان دین یہ جہاد کر کے سرخرو ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور رسول بھیجے۔ جن کے ذمے مخلوق الٰہی کو سیدھے راستے پر چلنے کی دعوت پیش کرنا تھا۔ پیغمبروں کے بعد تبلیغ کے اس سلسلے کو بزرگان دین نے آگے بڑھایا اور ان کا یہ فیض جاری و ساری ہے اور قیامت تک جاری ساری رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو ایسی کرامات سے نوازا ہوتا ہے جن کے سامنے عام آدمی کی سوچ بے بس ہو کر رہ جاتی ہے۔ بزرگان دین کی حیات طیبہ میں کئی ایسے واقعات منظر عام پر آئے جس کی وجہ سے ہزاروں غیر مسلم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان بزرگان دین کی زندگی بے شمار ایسے واقعات سے لبریز ہے جنہیں پڑھ کر عام آدمی اپنی روحانی اصلاح کو ممکن بنا سکتا ہے۔

انسان روح (نفس) اور جسم کا ایک حسین امتزاج ہے۔ لہٰذا ایک کے مرض کا اثر دوسرے پر لازمی پڑتا ہے۔ دل اور دماغ کی اکثر بیماریاں صحت کو متاثر کرتی ہیں۔ انسان بدمزاج...... بدخلق...... اور چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ اکثر صورتوں میں وہ دماغی توازن تک کھو بیٹھا ہے۔ اسی طرح روحانی یا نفسی امراض کا اثر بھی جسم قبول کرتا ہے۔ غصے اور خوف میں انسان کانپنا شروع کر دیتا ہے اور کئی دیگر بیماریاں اس کے جسم میں ظاہر ہوتی ہیں۔

جو شخص روحانی امراض کا شافی علاج چاہتا ہے اسے اپنے بزرگان دین کی تعلیمات کا مطالعہ کرنا چاہیے...... ان کے حالات زندگی سے واقفیت حاصل کرنی چاہیے...... ان کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔

جس طرح جسمانی عوارض کے لیے ڈاکٹری ادویات استعمال کی جاتی ہیں اس طرح اخلاقی اور روحانی عوارض کے لیے اپنے بزرگان دین کی [illegible] کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

بزرگان دین عام انسان نہیں ہوتے کیونکہ بندے کا خدا کا عشق کا رتبہ [illegible] اور بلند تر ہے۔ محض چند ہستیاں ہی اس بلند رتبے پر پہنچتی ہیں اور یہی انعام یافتہ لوگ ہوتے ہیں جن کا فیض نہ صرف ان کی زندگیاں میں جاری رہتا ہے بلکہ ان کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی ان کا فیض جاری رہتا ہے ان کی تعلیمات لوگوں کی رہنمائی کے لیے موجود ہوتی ہیں۔

قارئین کرام جس طرح ایک مکمل دنیاوی نظام موجود ہے۔

اس نظام کو چلانے کے لیے عہدے دار بھی موجود ہیں

ان کی ترقیاں بھی ہوتی ہیں...... تبادلے بھی ہوتے ہیں

بالکل اسی طرح روحانی نظام بھی موجود ہے

اس نظام کو چلانے کے لیے عہدیدار موجود ہیں

اس نظام میں بھی ترقیاں بھی ہوتی ہیں اور تبادلے بھی ہوتے ہیں۔

اس نظام میں ولی......قطب......غوث......ابدال وغیرہ یہ سب عہدے ہوتے ہیں
حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کا مشہور واقعہ کسے معلوم نہیں۔ آپ عبادت ریاضت میں مصروف تھے۔ رات کا پہر تھا۔ایک چور چوری کی نیت سے آپ کے دولت خانے میں گھس آیا تھا۔ مگر بزرگان دین کے ہاں دنیاوی مال واسباب کا کیا کام...... یہ دنیاوی مال تو دنیاداروں کو زیب دیتا ہے۔ چور اپنی جدوجہد میں مصروف تھا۔ اس دوران ایک خادم نے حضور غوث پاکؒ کی خدمت میں غرض کی کہ حضور ایک قطب کی جگہ خالی ہے...... آپ حکم فرمائیں کہ اس عہدے پر کس کی تعیناتی کی جائے۔

حضور غوث پاکؒ نے فرمایا کہ اندر ایک چور کافی دیر سے مال واسباب کی تلاش میں موجود ہے مگر اسے کچھ نہیں مل رہا...... وہ ہمارے در سے خالی نہ جائے...... جاؤ اسے قطب کے عہدے پر فائز کردو۔ لہٰذا چور کو آپ کے روبرو پیش کیا گیا۔ آپ نے اس پر نظرِ کرم ڈالی اور اس کی کایاپلٹ گئی۔ وہ چور سے قطب بن چکا تھا:

کوئی اندازہ کرسکتا ہے ان کے قوت بازو کا
نگاہ مردمومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس سے ایک تو بزرگان دین کی شان کا اظہار ہوتا ہے۔ دوسرا یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ روحانی نظام بھی موجود ہے اور اس نظام کے عہدے دار بھی موجود ہیں اور ان کی تقرریاں اور تبادلے بھی ہوتے رہتے ہیں۔

قلندر بھی ایک روحانی عہدہ ہے...... ایک روحانی مقام ہے۔ اس مقام کی عظمت کا اندازہ آپ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ دنیا میں محض اڑھائی قلندر ہوئے ہیں۔

حضرت سید بوعلی شاہ قلندرؒ
حضرت لعل شہباز قلندرؒ
حضرت رابعہ بصری

زیر نظر کتاب میں حضرت رابعہ بصری قلندرؒ کی شان بیان کی گئی ہے۔ اگرچہ بزرگان دین کی شان بیان کرنا ایک آسان کام ہرگز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو فضیلت اور بزرگی بخشی ہوتی ہے اس کا مکمل احاطہ کرنا اگرچہ ناممکن نہیں مگر مشکل ضرور ہے۔ اس کے باوجود بھی پوری کوشش کی گئی ہے کہ حضرت رابعہ بصری قلندرؒ کی شان کا مکمل احاطہ ممکن ہوسکے۔ ان کی تعلیمات پر

روشنی ڈالی گئی ہے......ان کی کرامات کا ذکر خیر کیا گیا ہے۔ یہ کوشش کی گئی ہے کہ ان کی بزرگی اور فضیلت کو بیان کرنے کا حق ادا کیا جائے تاکہ لوگوں کو دینی رہنمائی حاصل ہو اور یہ تحریک بھی میسر آئے کہ ان کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے صراط مستقیم کو اپنائیں اور دین و دنیا میں فلاح پائیں

قارئین کرام اپنے بزرگان دین کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کی عادت

اپنائیں اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اولیت دیں تاکہ آپ دین و دنیا میں بلند مقام پاسکیں۔

☆ ☆ ☆

حضرت رابعہ بصری قلندرؒ

ولادت

بہترین افسانے وہ ہیں جو چند حقائق کے بھی حامل ہوں۔ فضائے آسمانی پر جو ستارے چمکے اور پھر ہمیشہ کے لیے نظروں سے اوجھل ہو گئے ان کی کہانیاں کس قدر دلچسپ ہوتی ہیں۔ ان احسن القصص میں سے ایک حسین قصہ اس درخشاں ستارے کا ہے جو بصرہ کے افق پر پہلی صدی ہجری کے اواخر میں طلوع ہوا، جس کے نور نے کھلی بزموں اور گھریلو زندگی کو منور کر دیا۔ جس کی چمک دمک نے آنکھوں کو خیرہ اور دلوں کو روشن کر دیا۔ حتیٰ کہ یہ کوکب تاباں دوسری صدی ہجری کے اواخر میں غائب ہو گیا۔ اس کا طلوع اور غروب ایک افسانہ بن کر رہ گیا جو اوراق دہر پر نقش ہو گیا اور زمانے کی زبان پر چڑھ گیا۔ نئے اور پرانے مصنفین

نے اس پر خامہ فرسائی کی تو محققین نے اس پر زور دماغ صرف کیا۔

اگر لوگ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے دریافت کرتے کہ تو کون ہے۔ کس طرح آئی اور کیونکر تو نے زندگی بسر کی۔ تو وہ شاید یہی جواب دیتی کہ ''میں آسمان دنیا پر ستارہ بن کر چمکی پھر ایک ارضی مسئلہ فکریہ بن کر رہ گئی۔ میں بھی دوسروں کی طرح آئی اور گئی۔ میں بھی محبت اور نفرت سے ہم آغوش ہوئی ہنسی اور روئی۔ میں نے بھی اچھے اور برے کام کیے یہاں تک کہ میں انسانی بندشوں سے آزاد ہو گئی اور انتہائی روحانی بلندیاں حاصل کر کے عالم فنا سے منسلک ہو گئی اس لیے لوگوں نے مجھے ایک عجوبہ روزگار پایا......

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا پیدا ہوئی اور ایک عابدہ و زاہدہ کی طرح زندگی گزار کر چلی گئی۔ اس نے عشق کیا۔ مگر عام عورتوں جیسا عشق نہیں۔

ایک تاریک پُرسکون رات میں اس کی والدہ کے اچانک دردِ زہ شروع ہوا۔ وہ ایک غریب اور مسکین عورت تھی۔ اس کے پاس اس کے خاوند کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ اس کا شوہر اسماعیل اس کی دل دہی کر رہا تھا۔ درد میں اضافہ ہو رہا تھا اور پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ غیرت انہیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے روک رہی تھی۔ مبتلائے درد بیوی نے شوہر سے کہا۔ ''اس آڑھے وقت میں میری چارہ جوئی کے لیے کچھ لاؤ۔'' اس کا دل بے قابو ہو گیا۔ بیوی کی حالت زار پر بیتاب ہو کر ایک پڑوسی کی طرف گیا تاکہ دیا جلانے کے لیے تھوڑا سا تیل اور استعمال کرنے کے

لیے تھوڑی سا گھی مانگ لائے۔ اس نے ہر چند دروازہ کھٹکھٹایا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ ناچار حیران و پریشان لوٹ آیا۔ بیوی کو احساس ہوا کہ شوہر بالکل تہی دست ہے تو وہ رونے لگی مگر کشائش الٰہی سے اس کی مصیبت ختم ہو گئی ہے اور نوزائیدہ کی آواز اس طویل رات میں گھر کے سکون کو چیرنے لگی۔

اسماعیل کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو فطرتاً اس کا دل دھڑکنے لگا۔ کہیں ایسا نہ ہو لڑکی پیدا ہوئی ہو کیونکہ وہ پہلے سے ہی تین لڑکیوں کا باپ تھا مگر یہ آواز ایک لڑکی ہی کی تھی۔ چوں کی لڑکی تھی، اس لیے اس نے اس بچی کا نام حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا رکھ دیا۔ وہ جانتا تھا کہ بچے کی جنسیت میں اس کا یا اس کی بیوی کا کوئی ہاتھ نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی دین ہے جسے چاہے لڑکا دے اور جیسے چاہے لڑکی۔ زمانہ جاہلیت سے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی ولادت تک حتیٰ کہ آج تک بھی مردوں کی یہ ذہنیت چلی آتی ہے کہ وہ لڑکی کی پیدائش پر کچھ انقباض خاطر محسوس کرتے ہیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا باپ بھی حسب دستور لڑکی کی پیدائش پر چپ سا ہو گیا۔ چونکہ وہ ایک دین دار انسان تھا اس لیے خوف خدا کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس معاملے میں اس کی بیوی مجبور محض ہے۔ وہ غم و غصہ کو پی کر اللہ تعالیٰ کے دین دار انسان تھا اس لیے خوف خدا کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس معاملے میں اس کی بیوی مجبور محض ہے۔ وہ غم و غصہ کو پی کر اللہ تعالیٰ کے دین پر راضی ہو گیا۔ تا آنکہ اس کے چہرے سے ترش

روئی کے آثار دور ہو گئے بچی کے گریہ معصوم نے اس کے کان میں کچھ اسرار حیات پھونک دیئے اور وہ بالکل خاموش ہو گیا۔

حضرت رابعہ بصریؒ کا باپ کوئی فلسفی نہ تھا کہ اسرار و انواع حیات کی تاویل کرتے ہوئے کہتا جنسی کشش انسان کو شادی پر آمادہ کرتی ہے ایسے ہوتا ہے اور ویسے ہوتا ہے وہ تو مذہبی ذہنیت کا حامل تھا اور قضا و قدر پر ایمان رکھتا تھا۔ خدا جانے حاملان قضا و قدر نے اس کی بیٹی کے لیے تاریخ میں کچھ روشن دن مقدر کر دیئے ہوں۔

جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کے ماں باپ اور خاندان والوں کو پتا بھی نہیں ہوتا کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔ کبھی وہ خوشی مناتے ہیں اور کبھی غم کبھی ہنستے ہیں اور کبھی روتے ہیں۔ انجام سے وہ پھر بھی بے خبر ہوتے ہیں۔ زمانہ ہی اس کے اوراقِ حیات کو لوٹتا ہے۔ اگر ہماری پیدائش سے مرتے دم تک ایک ایک بات لکھی جایا کرتی تو بڑی بڑی ضخیم جلدیں تیار ہو جایا کرتیں جنہیں نہ کوئی پڑھ سکتا اور نہ اٹھا سکتا۔

حشر و نشر کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو ہر ایک داہنے یا بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال لیے ہو گا۔ ازل و ابد کے پردوں سے دنیا گویا حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو دیکھ رہی ہے کہ اس کے ساتھ ایک ضخیم نامہ اعمال ہے جسے وہ اپنے ہاتھ میں اٹھائے ہوئے ہے مگر اس کے اولین صفحات کو بائیں ہاتھ میں لینا چاہتی ہے مبادا ابتدائی صفحات پر اس کی نظر پڑ جائے۔

میں ابھی ابھی قارئین کرام کے سامنے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا

کی کہانی بیان کرتا ہوں کہ اس کی زندگی میں بھلائی یا برائی کا کس قدر عنصر تھا۔
زندگی کیا ہے ایک طویل یا غیر طویل سفر مگر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا
کا سفر زندگی بہت طویل تھا، نہایت دشوار گزار اور تکلیف سے پر۔ علاوہ
بریں وہ اپنے سوانح حیات کچھ اس قدر پراگندہ چھوڑ گئی ہے جیسے درخت
کی شاخیں تیز ہواؤں کے جھونکوں سے ایک دوسری سے مل جاتی ہیں۔
ادھر ہم لوگوں کی یادداشتیں تیز ہواؤں کے جھونکوں سے ایک دوسری سے
مل جاتی ہیں۔ ادھر ہم لوگوں کی یادداشتیں ایک ریت کے ڈھیر کی مانند
ہیں جو اپنی جگہ پڑا رہتا ہے جب تک ہوائیں اسے منتشر نہ کر دیں یا کسی
کا ہاتھ اسے کسی محفوظ مقام پر اٹھا کر نہ رکھ دے یا فضا میں نہ اڑا دے۔
اس طرح حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے سوانح حیات پر زمانے کی
آندھیاں چلیں اور بہت سے محققین نے انہیں لیا۔ کچھ لوگوں نے ہوا کے
سپرد کر دیا اور کچھ ارباب تحقیق نے انہیں ایک مناسب مقام پر رکھ دیا۔
آج میں ایک اور چھان بین کرنے والا اٹھا ہوں مگر میرا مقصود نہ تو اس
قیمتی سرمائے کو پراگندہ کرنا ہے اور نہ ریت کے ڈھیر میں ہاتھ ڈالنا ہے۔
میں تو صرف وہ لپٹے ہوئے اوراق کھولنا چاہتا ہوں جو مشرق و مغرب میں
بکھرے پڑے ہیں۔ نہایت احتیاط اور نرمی سے وہ اوراق جوڑ کر پیش کرنا
چاہتا ہوں جس طرح کوئی شخص میدان جنگ میں پچھاڑے ہوئے بہادر
کی ہڈیاں جوڑ کر انہیں ایک جگہ پر قائم کر دیتا ہے۔

جس رات سے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا ظہور ہوا اس کی
زندگی میں ایک عجیب باب کھلا ہے۔ یہ وہ عورت ہے جس کے حالات

نے مشرق و مغرب کے محققین کو راتوں بیدار رکھا اور ارباب تصوف نے بڑی بڑی آستینیں سمیٹ کر قلم و دوات سنبھالا ہے تاکہ ان افکار کا اظہار کریں جو ان کے دماغوں میں گھومتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی اٹھان مذہبیت، محرومیت اور خفت کے ماحول میں ہوئی۔ اس کا باپ ایک گمنام زاہد تھا۔ زاہد لوگ کسی سے سوال نہیں کرتے۔ وہ ایمان و صبر کا دامن تھامے رہتے ہیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا بڑی ذہین تھی۔ وہ اپنے ماں باپ کا فقر و فاقہ دیکھ رہی تھی اس لیے وہ قانع ہو گئی اور اس نے خاموشی کو شیوہ بنا لیا وہ عام لڑکیوں کی طرح کسی چیز کی فرمائش نہ کرتی۔ کھانا آتا تو تھوڑا سا کھا لیتی۔ بچوں کی طرح جلد جلد لقمے نہ مارتی اور فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا باپ کے نقش قدم پر چلتی جو پریشان سا رہتا یا دینی خوابوں میں گم رہتا۔ کبھی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو خواب میں دیکھتا اور کبھی نیک بندگان خدا کو۔ گھر آتا تو اس کے جسم پر سوائے پھٹی پرانی گدڑی کے کچھ نہ ہوتا جس پر ایک سفید عبا ہوتی تھی۔ اس کی بیوی بھی قریب قریب ایسے ہی حال میں رہتی تھی۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اپنی تینوں بہنوں کے ساتھ ان سے دین عفت اور قناعت کی باتیں سیکھتی۔ اس کے کانوں میں دعا کی آواز آتی تو گریہ وزاری میں ماں باپ کی شریک ہو جاتی۔ فجر کی تاریکی میں باپ کے ساتھ اٹھتی، بلند آواز سے کلام پاک پڑھتی اور گریہ وزاری کرتی۔ بچپن ہی سے حلال و حرام کے معنی خوب سمجھتی تھی اور ابتدا ہی سے پرہیز گار

بندوں کے مقولے اس کی زبان پر جاری تھے۔ اس نے کبھی کسی کو گالی نہ دی اور نہ کسی چیز سے کبیدہ خاطر ہوئی۔ وہ فطرتاً نہایت مہذب تھی اور ایسی فطانت و ذہانت کی مالک تھی کہ اچھی بات یا اچھی دعا فوراً یاد کر لیتی تھی۔

ایک دن اس کے گھرانے والے شام کا کھانا کھانے بیٹھے۔ سب بڑے شوق سے کھانے کی طرف بڑھے مگر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ان سے دور رہی۔ اس کے باپ نے کہا۔

''حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا تو کیوں نہیں کھاتی؟''

اس نے نہایت غم زدہ آواز میں جواب دیا:

''باپ! اللہ جانے یہ کھانا حلال ہے یا......''

یہ سن کر اس کا باپ چونکا اور دریافت کرنے لگا:

''حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا! کیا تو نے کبھی ہمیں دیکھا ہے۔ کہ اگر حلال کھانا نہیں ملا۔ تو ہم نے حرام کی طرف ہاتھ بڑھا دیا ہو؟''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے کہا۔

ہمیں اس دنیا میں بھوک پر صبر کرنا چاہیے تاکہ آخرت میں آگ پر صبر کرنا نہ پڑے اس رات جب حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی ماں بچا ہوا کھانا اٹھانے لگی تو کچھ بھی نہ تھا۔ پیالہ بالکل خالی تھا۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا باپ اس کے جواب پر دل ہی دل میں تعجب کر رہا تھا کیونکہ اس قسم کی باتیں تو مفکرین و عابد و زاہد حضرات

کی مجلسوں میں ہوا کرتی ہیں۔ اسماعیل کے کان میں وہ باتیں گونجنے لگیں جو اس نے شیوخ کی زبانی وعظ کی مجلسوں میں سنی تھیں کہ بعض بچوں اور بچیوں میں بچپن سے پختہ کاری کے آثار ہویدا ہوتے ہیں گویا وہ قبل از وقت ہی ہدایت پا لیتے ہیں وہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا پر تعجب ہی نہیں بلکہ رشک بھی کر رہا تھا کہ اس کا میلان طبع ابھی سے پرہیز گاری اور عبادت کی جانب کس قدر ہے۔

جب کبھی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کوئی قرآنی سورت یاد کر لیتی اور نہایت خشوع و خضوع سے خوشی خوشی باپ کو سناتی تو اسماعیل کے آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلک پڑتے اور وہ کہتا ''پروردگار! تو نے اس لڑکی کو کس لیے پیدا کیا ہے؟ یہ تو اوروں جیسی لڑکی نہیں......''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا باپ اس لڑکی کے غمگین رہنے کے بارے میں راتیں بسر کر دیتا۔ اس کے کانوں میں شیوخ کے فقرے گونجنے لگتے کہ بعض عابد و زاہد ہمیشہ غمگین رہتے ہیں وہ غمگین رہتی اور جس قدر بڑی ہوتی جاتی اس کا حزن و ملال بڑھتا جاتا اور بڑوں کی طرح عبادت پر صبر کرتی۔

ایک رات اسماعیل سو گیا۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا قرآن پاک پڑھتی رہی۔ جب صبح ہوتے اس کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ نہایت خشوع و خضوع سے تلاوت کر رہی ہے۔ چادر میں لپٹی ہوئی قبلہ رو بیٹھی ہے۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور منہ پر پھیر لیے۔ شاید زمانہ اسے آنے والی مصیبتوں کے لیے تیار کر رہا تھا کیونکہ وہ ابھی بچی تھی کہ اس کا

باپ مر گیا اور تھوڑے دن نہ گزرے تھے کہ ماں بھی چل بسی۔ اب حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے بدبختی کا مزہ چکھا۔ وہ شفقت جس سے اب تک بہرہ ور تھی اس سے چھین لی گئی مگر وہ مصائب کے لیے آمادہ ہوگئی اور ایمان و قناعت کو یتیمی کی زندگی بسر کرنے کا وسیلہ بنا لیا۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کھوئی ہوئی سی نگاہیں ایک وسیع عالم وجود میں دوڑا رہی تھی جیسے کوئی گم کردہ راہ سیدھے راستے کی تلاش میں ہو۔

بصرہ

دوسری صدی ہجری میں بصرہ شباب پر تھا۔ فاتحین عرب یہاں سکونت پذیر تھے۔ یہ صرف سیاسی و تجارتی مرکز ہی نہ تھا بلکہ تہذیب و تمدن، علم و تقویٰ کا بھی گہوارہ تھا۔ بصرہ میں مساجد و معابد دینیہ بکثرت تھے۔ یہاں کی بڑی مسجد ایک چھوٹی سی یونیورسٹی تھی یہاں دو اور مناظرہ سے دل چسپی رکھتے تھے۔ بصرہ کے باشندے بھی دو قسم کے تھے بعض نہایت مالدار لوگ تھے اور بعض بالکل فقیر۔ ان میں آزاد عرب بھی تھے، مملوک بھی، رومی بھی اور عجمی بھی۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا گھرانہ ایک چھوٹا سا گھرانہ تھا جس کے افراد صرف گزر بسر کرتے تھے اور محلوں کے خواب ہی دیکھتے ہوں گے۔

ایسے زمانے میں اہل بصرہ یقیناً سماج کے خلاف بغاوت کا جذبہ رکھتے ہوں گے۔ ان میں کچھ تو وہ لوگ تھے جو نہایت سبک سر اور عمل و دین سے بے بہرہ تھے، دوسرے وہ لوگ جو عابد و زاہد تھے، جنہیں سب

98333

فقر و فنا کی پروا نہ تھی اور عیش و عشرت دنیاوی کو نگاہ میں نہ لاتے تھے اس لیے ارباب عشرت ان کی طرف سے بے خوف رہے اور ان کی کچھ پرواہ نہ کی۔

اس زمانے میں بصرہ کسی سال بھی فتنہ و فساد سے محفوظ نہ رہا۔ یہ فتنے خارجیوں کی طرف سے اٹھتے تھے حتیٰ کہ دولت بنی امیہ نے دوسری ہجری کے ربعِ اول میں ان فتنہ و فسادات کے مٹانے کی ٹھان لی۔ ایک سال قدرت کی گرم نگاہیں اس پر رونق شہر پر پڑیں اور اس کی ساری کھیتی باڑی جل گئی۔ پورا شہر قحط کی مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ اس مصیبت کا شکار زیادہ تر غریب لوگ ہوئے۔ اس نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو بھی بیتاب کر دیا۔ کئی راتیں اس نے خالی پیٹ گزار دیں۔ وہ تنہا تھی۔ اس کی بہنیں نہ معلوم کہاں چلی گئی تھیں۔ وہ راتوں کو اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتی کہ اس کی بہنیں لوٹ آئی پھر سب ایک جگہ رہنے سہنے لگیں۔

جب بھوک عام ہو گئی تو چور ڈاکو نکل پڑے۔ باندی، غلام کی خرید و فروخت کرنے والوں نے ایسے بچوں کو جو بھوک کے مارے ہوئے تھے اور آوارہ اور خستہ حال پھرتے تھے، پکڑ پکڑ کر بیچنا شروع کر دیا۔ چنانچہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا بھی ایک چور کے ہاتھ لگ گئی۔ ہر چند بھاگی دوڑی مگر اس ظالم نے پکڑ ہی لیا۔ وہ اگرچہ روئی چلائی لیکن بے سود۔ آخر تھک ہار کر گر پڑی۔ غاصب ہاتھ گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اسے ایک بڑے تاجر کے ہاتھ بیچ دیا۔ تاجر نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو تھوڑے داموں کسی دوسرے شخص کے

ہاتھ بیچ ڈالا۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نہایت فرمانبرداری اور خاموشی سے خدمت کرتی رہی۔ یہ شخص بڑا سنگ دل تھا۔ رات دن خدمت لیتا حتیٰ کہ وہ بہت دبلی ہوگئی۔ ظالم نے اس کے بچپن اور زبوں حالی پر کچھ رحم نہ کھایا جب بھی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو فرصت ملتی نماز میں مشغول ہو جاتی اور رو رو کر پروردگار سے کہتی۔

''اے خدایا! میں یتیم مبتلائے مصیبت ہوں، غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہوں اور ظلم وستم سہہ رہی ہوں۔ اس کے باوجود میرا مطمح نظر تیری رضا جوئی ہے۔ آیا ''تو مجھ سے راضی ہے یا ناراض!''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو خیال ہوتا تھا کہ وہ اپنی پکار کا جواب اثبات و رضا کی صورت میں سن رہی ہے۔ جوں جوں دن گزرتے گئے وہ اپنے آقا کی خدمت میں کوئی تکلیف و مشقت محسوس نہ کرتی تھی کیونکہ رضائے الٰہی کی طلب نے اسے ان تمام مصیبتوں سے بے پرواہ کر دیا تھا۔ ایک دن آقا نے اسے کسی چیز کی خریداری کے لیے بازار بھیجا۔ ایک انسان نما بھیڑیا اس کے پیچھے پڑ گیا۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ڈر کر بھاگی مگر بصرہ کی ٹیڑھی ترچھی گلیاں بغیر قربانی لیے نجات نہ دلا سکیں۔ وہ زمین پر گر پڑی اور ہاتھ ٹوٹ گیا۔ اٹھی اور خاموش کبیدہ خاطر آقا کے گھر لوٹ آئی۔ جب نماز کے لیے کھڑی ہوئی تو اس طرح مناجات کرنے لگی۔

''پروردگار! میرا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے، میں غلامی اور درد و کرب میں مبتلا ہوں اور ان مصیبتوں کے جھیلنے کے لیے تیار ہوں مگر مجھے یہ تو بتا

دے کہ آیا تو مجھ سے راضی ہے؟ اے خدا میرے لیے تیری رضامندی کافی ہے۔"

غم انسان کے دل کو ضرور متاثر کرتا ہے۔ جب زاہد زنیونی کا پاؤں ٹوٹ گیا تو اس نے کچھ بھی شکوہ شکایت نہ کی۔ یہی حال حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا تھا کیونکہ عابد و زاہد لوگ ایک ایسی وسیع دنیا میں رہتے ہیں جہاں بڑے بڑے حوادث چھوٹے معلوم ہوتے ہیں اور رنج والم بے وقعت دکھائی دیتے ہیں۔ رات ہوئی تو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ ہاتھ اس کے سینے سے بندھا تھا۔ وہ اپنے نفس کو اس صدمے پر صابر بنا رہی تھی۔ مگر دل غلامی کے صدمات سے پارہ پارہ ہو رہا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگی کہ رحم فرمائے اور اسے غلامی کی زنجیروں سے چھڑا دے۔ وہ دعائیں مانگ رہی تھی۔ آقا کو محسوس ہوا کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا آج کچھ زیادہ تھکی ہوئی اور پریشان ہے۔ گریہ وزاری کی آواز کانوں میں پڑی تو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو یہ کہتے سنا۔

"اے پروردگار! تجھے معلوم ہے کہ میرا دل تیری اطاعت کا خواہاں ہے۔ میری آنکھیں تیری خدمت سے ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اگر معاملہ میرے ہاتھوں میں ہوتا تو میں ایک لحظہ بھی تیری مناجات سے نہ ہٹتی مگر تو نے مجھے ایک سنگدل بندے کے ہاتھوں میں دے دیا ہے۔"

آقا کے کانوں میں یہ کلمات پڑے تو وہ گھبرا گیا اور حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی گریہ و زاری سے کانپ اٹھا۔ اس نے کچھ سوچ کر

دل ہی دل میں بہت جلد کچھ طے کر لیا اور حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے ایسا محسوس ہوا کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے سر پر ایک چراغ روشن ہے جس سے سارا کمرہ منور ہو رہا ہے۔ وہ فوراً بڑھا اور کہنے لگا۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا......

خطاؤں کی معافی چاہتا ہوا اور آزادی کی دولت پیش کرتا ہوا کہنے لگا۔

"رابعہ! تو آزاد ہے چاہے تو میرے پاس رہ اور جی چاہے تو جہاں تجھے آرام و راحت میسر ہو چلی جا......"

جونہی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے آزادی کا نام سنا کھڑی ہو گئی اور راہ فلاح و بہبود کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا آقا کے پاس سے آہیں بھرتی ہوئی چلی آئی۔ اب غلامی کا بوجھ اس کے کندھوں سے اتر چکا تھا۔ سورج کی روشنی میں دونوں ہاتھ بلند کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگی کہ اس نے اسے ایک ایسے عذاب سے نجات دی جس میں وہ ماں باپ کی وفات کے بعد سے ہر وقت مبتلا تھی۔ جب وہ آہیں بھرتی اور اس طرح کچھ طمانیت قلب محسوس کرتی تو ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔ کپڑے وغیرہ دھونے اور رات دن کی انتھک خدمت کرنے سے ہتھیلیاں اور ناخن پھٹ گئے تھے۔ ہاتھ بے رونق ہو گئے تھے۔ وہ نوجوان تھی مگر اس کے ہاتھ نوجوان لڑکیوں کے سے نہ تھے۔ معلوم نہیں وہ آزادی کے بعد کہاں گئی اور کہاں رہی؟

بلاشبہ جس طرح ایک قیدی جیل خانے کا دروازہ کھلنے کے بعد زندگی کو ایک نئے زاویۂ نگاہ سے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے کہ وہ آج نئے سرے سے عالم وجود میں آیا ہے۔ طویل قید و بند سے دنیا کی ہر چیز اسے بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ وہ اعزہ و اقرباء کو شک کی نگاہوں سے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے کہ ہر چیز اسے پھر قید خانے کے سپرد کرنا چاہتی ہے۔ کچھ ایسی ہی حالت حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی تھی۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے دلی جذبات کا پوری طرح احساس وہی پرندہ کر سکتا ہے۔ جو قفس میں بند رہا ہو۔ پھر اسے کھلی فضاء میں پر و بال مارنے کا موقع ملا ہو اور وہ بلند درختوں کی شاخوں پر جا بیٹھا ہو۔ ہمیں معلوم نہیں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کہاں قیام پذیر ہوئیں۔ آیا اس بصرہ میں رہی جس میں اس نے روز اول سے سوائے حزن و ملال کے کچھ نہ دیکھا تھا؟ کہ ایسا ہرگز نہیں ہوا یا کوفہ چلی گئی جہاں کسی سے واقف نہ تھی یا شام کا رخ کیا؟ یہ تمام باتیں تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں جہاں تک کسی تلاش و تحقیق کی رسائی نہیں ہو سکی اور نہ کوئی تصریح اس کی موید ہے۔

بصرہ اس کا وطن اور تربیت گاہ ہے گو اس سرزمین نے اس پر سخت مظالم ڈھائے۔ وہ یقیناً اس سے محبت کرتی تھی اور دوسرے شہروں پر بصرہ کو ترجیح دیتی تھی۔ وہ وہاں کی گلیوں اور شاہراہوں سے خوب آشنا تھی۔ وہاں کی باوقار مسجد اور بھرے بازاروں سے محبت تھی۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی مجالس ذکر و اذکار اور دینی مدارس میں گھومنے لگی۔ حضر

رحمتہ اللہ علیہا کا یہ طرز زندگی جو اس نے غلامی سے رہائی کے بعد اختیار کیا، یقیناً اس کی نسوانی زندگی کے خلاف تھا۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے ایک اسیر اور باندی کی حیثیت سے زندگی گزاری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو کچھ ایسی تکلیف دہ باتیں پیش آئی ہوں اور آزادی کے بعد یہ دست درازیاں اس کی زندگی میں انقلاب کا باعث بنی ہوں۔

کہتے ہیں نفس انسانی میں بھی خاص خاص حالات و جذبات کے تحت انقلابات پیدا ہوتے ہیں۔ جس طرح قوموں میں پوشیدہ حوادث بڑے بڑے انقلابات کا سبب بن جاتے ہیں۔ نفس انسانی بھی تو ایک قوم کی سی حیثیت رکھتا ہے جس میں بغاوتیں اٹھتی رہتی ہیں، حوادث کا نزول ہوتا ہے اور انقلاب برپا ہوتے ہیں۔ دنیا میں ایسے کتنے ظالم اور کج رو گزرے ہیں جو گناہوں کے عادی تھے پھر نہایت پاکباز اور سچے تائب بن گئے اور عمر بھر سیدھی راہ پر قائم رہے بعض اقوام و افراد ایسے بھی ہیں جو اضداد کے حامل ہوتے ہیں۔ اور ان کی شخصیتیں عجیب پیچیدہ حالات میں مستور ہوتی ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بھلائی اور سچی قربانی کا جذبہ ایک شریر ڈاکو کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اور کبھی شیطان عابد و زاہد حضرات کے سامنے رقص کناں نظر آتا ہے۔ ان کی عمریں وعظ و دین کے لیے وقف ہوتی ہیں۔ داڑھیاں لمبی، گدڑی سخت اور کھردری ہوتی ہے اور ان کے عمامے نہایت سفید براق ہوتے ہیں۔ وہ یک لخت حجروں اور معبدوں سے باہر نکل پڑتے ہیں اور فتنہ و فساد کی گہرائیوں میں اتر

جاتے ہیں۔

پادری فافنوس ہی کو دیکھ لیجیے۔ وہ قدیم زمانے میں طیبہ بصرہ سے چلا اور ننگے پاؤں سکندریہ پہنچا تاکہ اپنے آپ کو بدکردار تائیس کے قدموں میں ڈال دے۔ یہ تائیس وہ فاحشہ تھی جس کی مجلس ہر وقت طرح طرح کی خوشبوؤں اور شراب کی بو سے مہکتی رہتی تھی اور جس کا محل فسق و فجور سے آباد رہتا تھا مگر کیا وہ مرتے دم ایک مقدس، پاکباز عورت نہ بن گئی تھی؟

بیشک دنیا عجائبات سے پر ہے اور اس عالم میں قسم قسم کے حوادث ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس قسم کے حالات سے غلامی کے بعد حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو بھی دو چار ہونا پڑا ہو اور اس کی زندگی کا یہ انقلاب غلامی کی زندگی کا ردعمل ہو۔ جب وہ آزادانہ نکل کھڑی ہوئی تو نوعمر حسین لڑکی تھی۔ آزادی اور بے خوفی کی خوشی میں ممکن ہے کہ وہ اس سیلاب میں بہہ گئی ہو جس میں عموماً ہر نوجوان روٹی اور تنہائی کے سوال سے ڈر کر بہہ جاتا ہے۔ بہرحال نفسیاتی تجزیہ و تحلیل میں اس قسم کی بحث کے لیے گنجائش تو ضرور ہے۔

طبیعت کا بدل جانا ایک فطری امر ہے کیونکہ آج تک کوئی انسان ایسا نہیں گزرا جو اول سے آخر تک ایک ہی حالت پر رہا ہو۔ زندگی بھی کرہ ارضی کی طرح ہے اس میں پہاڑیاں بھی ہیں اور نشیبی علاقے بھی۔ اتار بھی ہے چڑھاؤ بھی۔ کبھی ہم اوپر کو چڑھتے ہیں اور کبھی نیچے کی طرف لڑھکتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمیں معلوم بھی نہیں ہوتا کہ ہمارا کیا انجام ہونا ہے۔

آزادی کے بعد حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا حسین، نازک اندام، آزاد عورتوں کی سی زندگی گزارنے لگی۔ اس نے ایک نئی زندگی میں قدم رکھا۔ روشن، معطر راتیں گزاریں اور اس پاکی، سختی، درشتی کو چھوڑ بیٹھی جس کی وہ بچپن سے عادی تھی۔ آیا وہ اپنی پچھلی آزادی سے انتقام لے رہی تھی جو اسے غلامی اور لغزشوں سے نہ بچا سکی؟ یا خشک زاہدانہ زندگی کا یہ ردعمل تھا جس نے اسے حیرت انگیز طور پر بالکل بدل ڈالا تھا؟ اس قسم کی باتیں ہر انسان کو پیش آتی ہیں خواہ وہ کسی مذہب اور کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی ابتدائی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے میرے دماغ پر کیسے کیسے تصورات چھائے ہوئے ہیں۔ میرے اور حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے اس کی پرہیز گاری سے متعلق کتابیں اور اس کے سوانح میرے اردگرد پھیلے پڑے ہیں۔ یہ مجھے دعوت دیتے ہیں کہ اس کی پوشیدہ زندگی سے بحث کروں۔ اس تحقیق اور غور و خوض میں میری متخیلہ ان طویل زمانوں کو چیرتی ہوئی ان حسین و عشق باز عورتوں تک پہنچ جاتی ہے جن کی تصویر پیئر لوئیس نے تائیس کے ڈرامے اور بیلتیس کے گانوں میں کھینچی ہے۔ یہ عورتیں باوجود یہ کہ تقویٰ اور طہارت کو کچھ بھی نہ سمجھتی تھیں پھر بھی تقویٰ اور طہارت کی طرف مائل تھیں قبرص کی حسینہ مناڈویکا یہ تمنا کرتی تھی کہ مرنے کے بعد اس کی قبر پر لکھ دیا جائے کہ یہاں ایک پرہیز گارترین عورت سوتی ہے جس نے کبھی عصمت فروشانہ زندگی گزاری تھی۔ یہ سب کچھ تخمین و استنباط

ہے جو میں نے بڑی احتیاط سے لیا ہے۔ مجھے تاریخی اور صوفیانہ کتابوں میں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے ان خیالات کی تائید ہوتی ہو کیونکہ بعض مصنفین ایسے ہیں جنہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی زندگی پر پوری روشنی ڈالی ہے لیکن اس مبہم زمانے کے بارے میں خاموش ہیں۔ بعض مصنفین نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے سلوک و تصوف سے متعلق اس کی سابقہ زندگی کی روشنی میں اقوال سلف کی ایسی تاویلیں کی ہیں۔ جن سے ان کے مدعا کی تائید ہوتی ہے۔ ان کی یہ کوشش خواہ شرارت پر مبنی ہو یا تحقیق علمی پر۔ مجھے اس سے سروکار نہیں کیونکہ میں مباحث علمیہ کے اصول طے کرنے نہیں بیٹھا بلکہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے سوانح لکھنے بیٹھا ہوں گو مجھے یہ تسلیم ہے کہ ہمیں تاریخی منطقی دلائل کو ماننا چاہیے میں جانتا ہوں کہ تاریخ ایک ایسا حرم محترم ہے جس میں نہ تو ہمیں زیادتی کا کوئی حق حاصل ہے نہ کمی کا۔ اگرچہ ہماری تاریخیں اس قسم کی کمی و زیادتی سے خالی نہیں کیونکہ مصنفین نے کتابیں خاص خاص اغراض کے تحت لکھی ہیں اور اپنے زمانے کے حالات کا خیال رکھا ہے اس لیے مورخ کو کمی و زیادتی کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یہ کوئی افسانہ تو نہیں کوئی ادیب اس میں کمی یا زیادہ کر دے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے اسرار کی تلاش اور اس پوشیدہ دور کے جاننے کے لیے ہمیں یقیناً کسی ایسی روشنی کی تلاش کرنی پڑے گی جو صحیح تجزیئے تک پہنچا دے ہمیں کوئی بھی ایسی نص صریح نہیں ملتی نہ کوئی ایسا شافی بیان ملتا ہے جو تحریف و التباس سے پاک ہو۔ جو

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی پوشیدہ زندگی اور اس کے اسباب و علل پر روشنی ڈال سکے۔ نہ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل ہے جو ہمارا مدعا ثابت کر سکے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا آزادی کے بعد جادہ مستقیم سے ہٹ گئی تھی شاید اس نے شادی کر لی ہو اور ناکام رہی ہو یا کسی سے محبت کی ہو اور نامراد رہی ہو اور اسی صدمے نے اس پر ایک کاری ضرب لگائی ہو۔ علاوہ بریں اگرچہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا آزاد ہو گئی تھی لیکن اپنے آپ کو آزاد کردہ لونڈی ہی سمجھتی رہی۔ جس طرح عرب کے آزاد کردہ غلام ہمیشہ اپنے آپ کو آزاد کردہ غلام ہی سمجھتے رہے۔ یہ بات قرین عقل ہے اور معقول معلوم ہوتی ہے۔ موالی (آزاد شدگان) کا مسئلہ عرب میں خاص اہمیت رکھتا تھا۔ خصوصاً بنی امیہ کے دور میں جو عربیت و اصالت کو بہت اہمیت دیتے تھے اور جن کی سیاست حسب و نسب پر مبنی تھی وہ جہاد و فتوحات سب چیزوں میں اپنے ہی آپ کو حق دار سمجھتے تھے۔

موالی کو انہوں نے اس قسم کا کوئی حق نہ دیا تھا جس کی وجہ سے موالی تنگ دل تھے۔ اس لیے کچھ ایسی مشکلات پیدا ہو گئی تھیں جن کے حل کرنے کے لیے فقہاء کا پیٹ بھرنا پڑا اور اگلے اماموں نے ان پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ ادھر جدید قدیم ادباء مورخین نے بھی یہ مسئلہ موضوع بحث بنایا کیونکہ فن و فکر و ادب کو موالی سے ایک خاص علاقہ رہا ہے۔ موالی سے کچھ ایسے شعراء و ادباء پیدا ہوئے جو آزاد عربوں سے سبقت لے گئے۔ وہ ان سے تدبیر، تقریر و تحریر اور کمال میں بہت آگے

نکل گئے مگر غلامی سے آزادی پانے کا خیال ان کے دلوں کو مکدر کیے رہتا تھا اور یہ نفسیاتی عقدہ کسی طرح نہ کھل سکتا تھا۔

ہو سکتا ہے کیونکہ میرے پاس اس کے متعلق دلائل ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کسی نحوست و نکبت چاہنے میں مبتلا رہی ہو یا زندگی کے کسی میدان میں ناکام رہی ہو یا اسے کوئی خاص حادثہ پیش آیا ہو مگر ہم یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ وہ کیا تھا۔ ممکن ہے یہ زہد و تقشف اسی کا نتیجہ ہو جو ایک دم آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑا اور اس کی زندگی کو بالکل بدل کر رکھ دیا۔ اس لیے وہ اچانک زاہدوں کے گروہ میں شریک ہوگئی اور دینوی طمطراق سے منہ موڑ کر مجالس ذکر و وعظ میں آنے جانے لگی حالانکہ ابھی نوجوان تھی۔ تاریخ میں کسی ایسی تارک الدنیا عورت کا حال نہیں ملتا جس نے بلا سبب ترک دنیا کیا ہو۔ خصوصاً جب وہ حسن و جمال اور مال و حریت کی مالکہ ہو۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا بڑی ذہین، ہوشیار اور گہری عقل والی تھی۔ اس نے چند دنوں میں بڑی خوبی سے امور دینیہ کو علماء سے سیکھ لیا۔ وہ مردوں کی طرح تحصیل علم کرنے لگی بلکہ ان سے فوقیت لے گئی۔ وہ اسرار رفقہ و حدیث و تفسیر کو خوب سمجھتی تھی۔ ہر چھوٹے بڑے مسئلے سے آگاہ تھی حتیٰ کہ اس نے بہت سی حدیثیں یاد کر لیں۔ حفظ حدیث ہی اس زمانے میں بنیاد تعلیم و تعلم تھا اور ہر دیندار طالب اس کے درپے ہوتا تھا۔ اس باوقار علمی فضاء میں فقہ روایت اور لغت کے کچھ ایسے مفکرین و علماء تھے جو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے وطن بصرہ کے گوشوں

میں پڑے تھے۔ اس میں متضاد شخصیتیں تھیں اور متضاد طریق زندگی تھے۔ ادھر کوفہ کی مجلسیں ارباب نحو، ادب فقہ و مناظر کے حلقے اور شیوخ و علمائے تفسیر و حدیث تھے۔ ان دونوں شہروں اور اس کے آس پاس کے شہروں کے علمائے کبار کا دینی و اجتماعی زندگی پر بڑا اثر تھا بلکہ ان میں سے ہر ایک چلتا پھرتا مدرسہ تھا کیونکہ وہ بڑے عالم اور صاحب معرفت بزرگ تھے۔ اگر ایک طرف فقیہ، نحوی اور بیانی تھی تو دوسری طرف ارباب ذکر و تصوف و موعظت ان دونوں کے درمیان ایک اور روشن زندگی تھی جسے زہد سے تعبیر کرنا چاہیے۔ اس کے منبع بہت سے مذہب پرست تھے۔ جنہیں تعیش و انحراف سیاسی سے نفرت تھی۔ یہ لوگ سوا اللہ تعالیٰ کے ہر چیز سے بے رغبت تھے اس لیے زاہد اپنے گھر بار سے دور رہتے اور بے شادی کیے زندگی گزار دیتے تاکہ علم و عبادات کے لیے فراغت حاصل کر سکیں تمام رات کو عبادت کرتے اور دن بھر روزہ رکھتے۔ یہ لوگ زاہدوں ہی میں اٹھتے بیٹھتے تھے۔

اس لیے غم ان کے چہروں پر برستا تھا ہنسی اور مسکراہٹ سے ان کے لب آشنا تک نہ تھے۔ اگر کبھی مسکراتے تو اس میں بھی ایک قسم کی تلخی ہوتی تھی۔ بسا اوقات تو یہ لوگ گھنٹوں سخت سخت ریاضتیں کرتے یا روتے رہتے حتیٰ کہ لوگ انہیں معتبدین (عبادت گزار) اور بکائین (رونے والے) کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ ان لوگوں میں سب سے مشہور رباح بن عمرو قیسی، امام سفیان ثوری امام مالک بن دینار اور شیخ عبدالواحد بن زید رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا عبادت و زہد

میں ان سب سے آگے تھی۔ اس نے اپنی عمر کی بیشتر راتیں نماز و دعا میں گزار دیں اور جب وہ سو جاتی تو پشیمان، روتی ہوئی اور اپنے نفس کو ملامت کرتی اٹھتی کہ وہ اتنی دیر مولا سے کیوں غافل رہی، جب عشاء کی نماز سے فارغ ہوتی تو چھت پر چڑھ جاتی قمیض اور دوپٹہ لپیٹ لیتی اور کہتی۔

''پروردگار! ستارے روشن ہو گئے۔ بادشاہوں نے دروازے بند کر لیے، ہر حبیب اپنے حبیب سے محو خلوت ہے اور میں یہاں تیرے سامنے کھڑی ہوں۔''

پھر ساری رات نماز پڑھتی رہتی حتیٰ کہ فجر ہو جانے پر تلاوت کلام پاک میں مصروف ہو جاتی اور جب روشنی پھیل جاتی تو اس طرح مناجات کرتی۔

''اے اللہ تعالیٰ! رات گزر گئی۔ دن آ گیا۔ کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تو نے میری نماز قبول کر لی یا رد کر دی؟ تیری عزت کی قسم! میرا یہی طریقہ رہے گا جب تک تو مجھے جواب نہ دے گا یا میری مدد نہ کرے گا۔ قسم ہے تیری عزت کی! اگر تو مجھے دروازے سے دھتکار بھی دے گا تو میں نہ ٹلوں گی میرے دل میں تیری محبت گھر کر گئی ہے۔...''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا پر جب نیند غالب آ جاتی اور وہ ذرا سو جاتی تو فوراً جاگ اٹھتی، ڈری ہوئی، گھبرائی ہوئی، اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتی ہوئی اور اس طرح فریاد کرتی۔

''لوگ سو گئے۔ غافل مدہوش ہو گئے اور حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا

بیچاری تیرے سامنے کھڑی ہے۔ تیری نگاہ اسے سونے نہیں دیتی قسم ہے
تیری عزت و حرمت کی! میں نہ دن میں سوؤں گی نہ رات میں مگر یہ کہ
نیند غالب آ جائے حتیٰ کہ تجھ سے آ ملوں۔"

وہ مدتوں نیند سے مجاہدہ اور سختی سے نفس کا محاسبہ کرتی رہی۔ جب
کبھی مصلے پر سو جاتی تو ان الفاظ میں اپنے آپ کو ملامت کرتی۔
"اے نفس تو کب تک سوئے گا اور کب تک خراٹے لیتا رہے گا؟
وہ دن قریب ہے کہ تو ایسی نیند سو جائے گا کہ پھر یوم حشر کی چیخ و پکار ہی
تجھے ہی جگا سکے گی۔"

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نفس کو برابر ملامت کرتی رہتی
تھی۔ کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ ہمیشہ بیدار رہے اور برابر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتی
رہے۔ ایک گھڑی کے لیے بھی اس سے غافل نہ ہو شب بیداری میں ذرا
سی بھی سستی نہ کرے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا دنیا سے منہ
موڑ لینا اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا اس زمانے کی فضا کے مطابق تھا
کیونکہ اس دور کے اکثر مقدس بزرگ ایسا ہی کرتے تھے جو یہ چاہتے تھے
کہ مسلمانوں میں نشاط و طرب اور لہو لعب عام نہ ہو اور وہ یاد الٰہی سے
غافل نہ ہونے پائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ فتوحات کے دروازے کھل جانے
سے مسلمان دینی تعلیمات چھوڑ بیٹھیں اور تعصب، حکومت اور حب مال
میں پڑ جائیں جس طرح بعض بزرگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی
شہادت اور ان کے خون کے ضائع ہو جانے کے سانحے سے کچھ کینہ سا
ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ دنیا اور دنیا والوں سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور ہر

اس چیز سے بے رغبتی کرتے تھے۔ جس سے دنیا دار رغبت کرتے ہیں۔ ایسے بزرگوں کے لیے زہد ایک پرسکون غار تھا جہاں یہ لوگ اہل عرب کی بیماریوں، نئے تہذیب و تمدن اور نئے نئے طریقہ ہائے فکر و بود و ماند سے بھاگ کر پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ ہر ملک، ہر زمانے اور مذہب میں یونہی ہوتا ہے کہ زہد عموماً ایسے ہی اسباب ظاہری و باطنی کے تحت پروان چڑھتا ہے۔ جسے اصل میں فرار سے تعبیر کرنا چاہیے۔ اس کی تہہ میں عموماً ناکامی و محرومی کارفرما ہوتی ہے۔ ایسے افراد بہت کم ہیں جنہوں نے زہد کو صرف زہد کی خاطر اختیار کیا ہو۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا عدویہ نے حقیقتاً زہد اس لیے اختیار کیا تھا کہ وہ زندگی کی تلخیوں سے بھاگنا چاہتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر خوف و ندامت کا بے انتہا غلبہ رہتا تھا اور یہ دونوں کسی لغزش یا غلطی کے باعث پیدا ہوتے ہیں۔ خواہ وہ غلطی بڑی ہو یا چھوٹی۔

مسلمان زاہدوں کی زندگی کی چھان بین کرنے والے پر واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا زہد و تقشف اصلاً کسی نفسانی بیماری کی وجہ سے تھا۔ ایسا شاذ ہی ہو گا کہ زہد کسی کی فطرت و طنیت بن گیا ہو کیونکہ انسان کی فطرت، رغبت و طلب کی طرف مائل ہے نہ کہ زہد کی جانب۔ اس لیے زہد کے درے کوئی نہ کوئی حادثہ سویا ہوا ہوتا ہے۔ یا کوئی مصیبت پوشیدہ ہوتی ہے گو وہ سانحہ زاہد کی دلی گہرائیوں میں ہمیشہ کے لیے دفن ہو گیا ہو بعض زاہد ایسے گزرے ہیں جنہیں کوئی جانی مالی یا کسی محبوب کا صدمہ پہنچا تو وہ زاہد بن گئے تاکہ غم والم بھول سکیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے دور میں زہد ایک مستقل فن بن چکا تھا جس کی باقاعدہ تحصیل کی جاتی تھی۔ اس کے بانی حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ تھے جنہوں نے حزن و ملال کو زہد کا جزو بنا رکھا تھا۔ وہ دنیوی زندگی میں زیادہ تر موت، حساب اور دوزخ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ دوستوں اور مریدوں سے ان کا موضوع گفتگو عموماً خوف آخرت ہوتا تھا۔ وہ برابر زندگی کی دوڑ میں جدوجہد کرتے رہے حتیٰ کہ متقی زاہد بن گئے۔ انہوں نے عصبیت عربیہ حسب و نسب وجاہ سے منہ موڑ کر علم و تقویٰ کا دامن تھاما یہاں تک کہ ان کا نام بصرہ میں محبت اور وقار سے لیا جانے لگا۔ جہاں کہیں فقہ، بیان، زہد کا ذکر آتا ہے، لوگ کہتے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ ان تمام فضیلتوں کے مستند امام ہیں۔

21ھ سے 110ھ تک، جو ان کی ولادت و وفات کا زمانہ ہے، شہر بصرہ نے ایک ایسے استاد زمانہ کو دیکھا جس نے سینکڑوں لوگوں کو تعلیم دی اور ایک ایسا دینی مذہب رائج کیا جس کی وہ رات دن تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اگر ہر سننے والا ان کا متبع ہو جاتا تو وہ دنیا کو زاہدوں سے بھر دیتے۔ مگر دنیوی مطالب و آمال کی کشش چونکہ ان کے مذہب سے زیادہ تیز تھی۔ اس لیے زیادہ تعداد ان کے مذہب میں داخل نہ ہو سکی۔ صرف چند مخلص ان کے ساتھ رہ گئے۔ یہ لوگ حسب ادوار و تبلیغ و اشاعت بڑھتے رہے حتیٰ کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا زمانہ آ گیا جو حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے بعد ہدایت و معرفت کی شمع اور زہاد کی سرگردہ بنی۔

یہ زہد پسند حضرات اسباب دنیوی سے انتہائی پرہیز کرتے تھے۔
مجرد رہنا پسند کرتے۔ معیشت کے لیے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے اور نفس
کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دیتے تھے۔ یہ تمام باتیں نہ صرف
اسلامی تعلیمات، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سنت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں بلکہ ایک مبہم نفسانی، انجذاب کی مختلف
صورتیں ہیں۔ آپ نے جب بعض نیک مسلمانوں کی توجہ تقشّف و زہد کی
طرف دیکھی تو انہیں اس قدر غلو کرنے سے منع فرمایا مگر اس قسم کے علماء و
مفسرین نے قرآنی آیات کی اس طور سے تفسیر و تاویل شروع کر دی جو
ان کے مزاج و طریقہ تفکیر کے مطابق تھی۔ وہ اسے قطعاً بھول گئے کہ
اسلام دنیا و آخرت دونوں کے لیے عمل کی دعوت دیتا اور ایک دستور جہاد
پیش کرتا ہے جس سے مقصود بھلائی کا غلبہ ہے۔ وہ فراموش کر گئے کہ ان
کے رسول خود اجتماعی زندگی بسر کرتے۔ اور رسالت تبلیغ کے حسب اقتضا
پاکیزہ زندگی کے لیے اسباب کا سہارا لیتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ
انسانیت دنیا میں پھلے پھولے نہ یہ کہ شکست کھا کر منہ چھپا لے اور بے
خبر ہو جائے۔

ان زاہدوں کا یہ مسلک، جنہوں نے اپنے آپ پر انتہائی مظالم
کیے، یقیناً شعائر دینی میں تغیر اور اسلام میں بدعت کا احیاء ہے اور حقیقت
زمانہ و حوائج نفسانی کے خلاف ہے صدیاں گزر جانے کے باوجود ہمیں
انتہائی افسوس ہوتا ہے کہ زاہد و عابد حضرات کیوں گوشہ نشین ہوئے
حالانکہ ان میں بڑے بڑے علماء، حکماء موجود تھے۔ اس دور میں چار دل

طرف سے اہل عرب کو حساد واعداء گھیرے ہوئے تھے خواہ وہ رومی ہوں
یا دیگر مغلوب اجنبی ممالک کے باشندے۔ ادھر امت عربیہ ابتدائی تعمیر و
بنائے فضائل میں مصروف تھی اس لیے زہد کی یہ مہلک بدعت لوگوں کو
خوف زدہ بنانے اور رجعت قیصری کرنے پر مجبور کرتی تھی۔ پھر ان لوگوں
کی طرف ایسی باتیں منسوب کی جانے لگیں جن کے وہ کبھی مرتکب نہ
ہوئے۔ یہ زہد اولیں ادوار میں بھی عرب مسلمانوں سے نہیں لیا گیا۔ نہ
ان کے اس مذہب سے اخذ کیا گیا جس نے انہیں اندھیروں سے نور کی
طرف ہدایت کی تھی بلکہ اس کے ماٰخذ زمانہ جاہلیت کی مسیحی تقلیدیں یا
ایران و ہندوستان کے عابدوں کی خود ساختہ رسوم تھیں۔ پھر یہ تصوف،
جوان زاہدوں کی زندگی میں دخل پا گیا، اس کے بارے میں علماء کی
رائیں کس قدر متضاد ہیں محققین اس کے اصلی ماخذ کی تلاش میں سرگرداں
ہیں اور ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں کہ یہ کہاں سے آیا؟ تو بعض
اسے ہندوستانی تعلیمات کا نتیجہ بتاتے ہیں اور بعض افلاطونی اور بعض نے
تو غلو کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ تصوف اس مجوسیت سے نکلا ہے
جو اسلامی فتوحات کے بعد شمالی ایران میں پناہ گزیں تھی۔

ان زہد پسند حضرات کا، جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت،
ایمان اور معرفت سے منور کیا تھا، یہ فریضہ تھا کہ وہ شکست، رجعت اور
مذمت دنیا و اہل دنیا کو راہ نہ دیتے بلکہ اپنے دور کے قومی امراض مثلاً
عصبیت و تغافل وغیرہ کا علاج کرتے کیونکہ ان کے دل منور تھے اور وہ
دنیوی حرص و آز سے پاک تھے۔ زیادتی ہوگی اگر میں ان زاہدوں کا ذکر

نہ کروں جنہوں نے بے دھڑک اظہار حقیقت کیا۔ لوگوں کو ان کے عیوب سے آگاہ کیا اور ظالم حکام کے غیظ و غضب کا نشانہ بنے مگر ایسے لوگ بہت تھوڑے تھے۔ حالانکہ زہد کی بیماری میں بہت سے لوگ مبتلا تھے۔ ہماری حالت بھی کچھ اسی قسم کی ہے۔ اگر کوئی شخص آج کل زہد، ترک دنیا اور ہمہ تن آخرت کی طرف مصروف ہو جانے کی تبلیغ بغرض اصلاح و دفع اضطراب کرنے لگے تو کیا ہم اس کی دعوت قبول کریں گے اور اسی کو اپنے مرض کی دوا سمجھ لیں گے؟ ہرگز نہیں اگرچہ یہ دور اس دور سے بہت کچھ مختلف ہی سہی۔

شاید اگلے زمانے کے وہ زاہد جنہوں نے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا مسلک قبول کیا، دنیا کی طرف سے کچھ تنگی میں تھے اس لیے تخفیف غم کی غرض سے انہوں نے زہد کی طرف میلان کیا گو وہ ریاکار یا مذبذب نہ تھے۔ اسے انہوں نے اصلاح نفس و دعوت الی اللہ کا ذریعہ بنا لیا۔ ان کے سینوں میں یقین و ایمان کی وہ ضیا تھی جس نے ان کی بصارتوں کو روشن اور روحوں کو علام الغیوب سے واصل کر دیا۔ بسا اوقات ان کے دروازے کھٹکھٹائے جاتے تھے۔ جب وہ دیکھتے کہ حکام کے ایلچی ہدیئے لیے کھڑے ہیں تو وہ انہیں نرمی یا سختی سے واپس کر دیتے۔ مبادا وہ دنیا دار ہو کر شاہی رضامندی کے طالب بن جائیں چنانچہ ایک زاہد نے ایک شخص کو یہ جواب دیا تھا۔

”جب تک میرے پاس یہ سوکھی روٹی کا ٹکڑا ہے مجھے کسی نعمت کی ضرورت نہیں۔“ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اس معاملے میں تمام

زاہدوں سے زیادہ سخت تھی۔ گو دنیا اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہتی تھی مگر وہ ہر چیز سے بے رغبت ہو گئی تھی۔ صرف سادہ سی غذا اور تن ڈھانکنے کے کپڑے پر قناعت کرتی تھی۔ دینداری نے اسے ہر چیز سے بے نیاز کر دیا تھا جس کی عورتیں مشتاق و محتاج ہوتی ہیں۔ بعد ازاں شخصیت و تصوف، اتباع فقہ و تقرب الی اللہ میں وہ اس درجہ منہمک ہوئی کہ ہر چیز سے بالکل غافل ہو گئی تھی..... اس نے نہ تو نوجوانی کی پروا کی نہ اس کی آرزوؤں کی، بلکہ اس نے جوانی کو عبادت و تہور میں لگا دیا اور تقشّف و سدرمق غذا پر قانع ہو بیٹھی تاکہ تقویٰ، معرفت اور ایمان کی دولت حاصل کرے۔ فیض الٰہی خفیہ و علانیہ اسے پکار رہا تھا۔ اس لیے وہ نماز تسبیح میں مصروف رہی تاکہ رضائے الٰہی حاصل کرے۔ وہ اپنی پاکیزہ صاف شفاف روح کو ہر چیز پر نچھاور کرتی جسے وہ تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتی وہ زہد و تقشّن میں صرف ایک ہی نقطے کے اردگرد گھومتی رہی جو اس کے دور میں منتہائے زہد تھا یعنی آخرت کے لیے دنیا کو حقیر سمجھنا، گریہ و زاری کرنا، توبہ و استغفار کرنا۔

ابھی اس کی زاہدانہ زندگی کی ابتداء تھی کہ ایک شخص اس کے دروازے پر شادی کی درخواست لے کر آیا اس کا مذاق اڑایا۔ جب محمد بن سلیمان ہاشمی حاکم بصرہ نے شادی کا ارادہ کیا تو دوستوں سے پوچھا کون سی عورت اس کے شایان شان ہو سکتی ہے؟ سب نے بالاتفاق حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا نام لیا۔ محمد بن سلیمان نے پیام دیتے ہوئے لکھا کہ دس ہزار روپیہ ماہانہ میری آمدنی ہے وہ ساری میں تجھے

دے دیا کروں گا۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے جواب میں لکھا۔

''بے رغبتی و زہد دنیا میں باعث راحت ہے اور رغبت حزن و ملال پیدا کرتی ہے تو اپنا توشہ تیار کر اور آخرت کے لیے آگے بھیج۔ تو خود اپنا والی وارث بن، دوسروں کو اپنا والی وارث نہ بنا ورنہ وہ تیرا ترکہ آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ ہمیشہ روزہ رکھا کر ہمیشہ یہ خیال رکھ کہ تو مرنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ رہی میں، سو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اس سے زیادہ دے جو تجھے دیا گیا ہے۔ تو میرا دل خوش نہ ہو گا کیونکہ میں تو ایک گھڑی بھی اللہ تعالیٰ سے غافل رہنا نہیں چاہتی۔''

ایک دفعہ عبدالواحد زید نے جو علم تصوف میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا نام پلہ تھا، اپنا پیام دے دیا۔ پھر کیا تھا، حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے عرصہ تک اسے پاس نہ آنے دیا۔ وہ اس کی صورت بھی دیکھنا نہ چاہتی تھی۔ مبادا وہ شادی کی درخواست نہ کر بیٹھے بلکہ ایک عورت کو برا بھلا کہنے کے لیے اس کے پاس بھیجا کیونکہ وہ چاہتا تھا، حالانکہ وہ بھی اس جیسا زاہد تھا کہ اسے عبادت و تنہائی کی زندگی گزارنے سے روک دے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا شادی سے منہ موڑنا اور ان زاہدوں کو ملامت کرنا، جو اسے شادی کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب کی تائید ہے جن کے خیال میں شادی تہجد سے روکتی ہے۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دنیا میں بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے بیوی بچوں سے محروم کر دیتا ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے کسی نے دریافت کیا تو شادی کیوں نہیں کرتی؟ اس نے کہا۔

"میرے لیے صرف تین چیزیں اہم ہیں۔ اگر مجھے کوئی ایسا شخص مل جائے جو ان تین باتوں کے غم سے چھڑا دے تو میں اس سے شادی کر لوں گی۔"

"دریافت کرنے والے نے کہا۔" وہ چیزیں کیا ہیں؟
کہنے لگی۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر میں مرگئی تو کیا میں ایمان سلامت لے جاؤں گی؟ دوسری یہ بات ہے کہ کیا قیامت کے دن مجھے میرا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا؟ تیسری بات یہ کہ جب روز حشر ہو گا اور داہنے بازو والے جنت کی طرف اور بائیں والے دوزخ کی طرف سے جائیں گے تو میں کس میں شامل ہوں گی؟"

پوچھنے والا سوا اس کے کچھ جواب نہ دے سکا۔ "جو کچھ آپ نے دریافت کیا میں اس کا کیا جواب دے سکتا ہوں، اس کا علم تو صرف پروردگار کو ہے۔"

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے کہا کہ "اگر یہی بات ہے اور مجھے ان باتوں کی فکر ہے تو میں شوہر کے لیے کیونکر وقت نکال سکتی ہوں؟"

اس قسم کی باتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا دنیا کی ہر چیز سے منہ موڑتی تھی جو عبادت و زہد میں حارج ہوتی تھی۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ قابل لحاظ اس کا شادی سے باز رہنا جو ہر عورت کی تمنا اور منتہائے حیات ہوتی ہے۔ شادی نہ کرنے سے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا مقصد یہ تھا کہ وہ دوسرے زاہدوں کی طرح مصروف عبادت رہ سکے اور اپنے مقصد و مجرد نفس کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول رکھ کر روحانی بلندیاں حاصل کر سکے۔ اسے اس امر کا احساس ہو چکا تھا کہ وہ ایک مقدس، معصوم اور پُرخلوص عورت بن چکی ہے، اس لیے شادی بیاہ میں مشغول ہونا اور اللہ تعالیٰ کے بغیر ایک گھڑی بھی گزارنا اس کے لیے مناسب نہیں۔ عقیدہ زہد و تقشّف پر ایمان کامل رکھنا ان لوگوں کو شادی بیاہ سے روکے رکھتا تھا اس لیے کہ اس طرز زندگی میں تکالیف حیات کم ہو جاتی ہیں۔ بیاہا ہوا فقر و فاقہ سے ڈر کر ذخیرہ اندوزی کرتا ہے اور یہ لوگ تو سوا خدا اور عذاب الٰہی کے کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتے۔ اس لیے ان لوگوں نے اپنے آپ کو وحشت زہد کے سپرد کر دیا کیونکہ انہوں نے دنیوی خرافات کو بہت سے معاصی کا سبب پایا۔ حشر ونشر عذاب و حساب کے خوف اور آیات و احادیث کی ڈرا دینے والی تشریح نے ان لوگوں کو صحیح راہ سے بھٹکا دیا۔ وہ لوگ خیال کرتے تھے کہ آخرت کا دوامی عیش و نشاط صرف شب زندہ دار عابدوں کا حق ہے اور اس کی ہلاک کر ڈالنے والی آگ دنیا داروں اور ذکر الٰہی سے غافل رہنے والوں کے لیے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے کانوں میں وہ قصے پڑے ہوئے تھے جو اس سے بیشتر ہونے والے زاہدوں سے تعلق رکھتے تھے اور

جن کی حیثیت خرافات سے زیادہ نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے زہد عبادت اور قطع علائق میں سختی کرنی شروع کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برا سمجھا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

''دنیا کا کام اس طرح کرو جیسے ہمیشہ زندہ رہو گے اور آخرت کا کام اس طرح کرو جیسے کل مر جاؤ گے۔''

مگر غالی زاہدوں نے اس قول ماثورہ کی دوسری شق لے لی اور وہمی یا حقیقی خطاؤں سے توبہ و ندامت کے بارے میں عجیب عجیب باتیں گھڑ لیں۔

ان لوگوں میں سے ایک بہلول بن ذویب گزرا ہے۔ یہ ہمیشہ کرخت بالوں والے کپڑے پہنتا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر پس پشت باندھ دیئے اور مدینہ کے ایک پہاڑ کی طرف چلا گیا تھا۔ وہاں وہ آسمان کی طرف سر اٹھائے اللہ تعالیٰ سے اس طرح فریاد کرتا رہتا۔

''پروردگار! زنجیر میں جکڑے ہوئے اپنے بندے کو دیکھ جو گناہوں کا معترف ہے۔''

بہلول کی طرح ابولبابہ کا بھی یہ حال تھا جس نے جرم و خیانت کی بنا پر اپنے آپ کو مدینہ کی مسجد کے ستون سے باندھ دیا تھا۔ وہ ایک عرصے تک اسی طرح بندھا رہا حتیٰ کہ ایک دن اسے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ

اور بھی بہت سے لوگ گزرے ہیں مثلاً ایک شخص کفارہ معاصی کے لیے مہینوں اور برسوں نہ بولا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اسے سخت ملامت کرتے ہوئے روکا اور فرمایا یہ تو جاہلیت کی باتیں ہیں۔ ایک زاہد نے عہد کیا تھا کہ وہ مسجد میں نماز پڑھتا رہے گا جب تک کہ اس کا قلب بخشش کی گواہی نہ دے دے۔ بعض لوگوں نے یہاں تک سختی کی کہ حج کے لیے پیادہ پا گئے اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ انہیں زیادہ ثواب دے گا اور ان کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے گا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے چالیس سال کعبے تک پہنچنے میں گزار دیئے ایک صوفی نے خانہ کعبہ کا طواف اس طور پر کیا کہ نکیل اس کی ناک میں تھی اور وہ اونٹ کی طرح ہنکا کر لے جایا گیا تاکہ اس کے نفس اور جسم کو تکالیف پہنچے۔ زہد میں اس قسم کی بدعتیں مخالفین تصوف کے لیے قابل مواخذہ مضحکہ بن گئیں کیونکہ دین تو ایسی باتوں کا مخالف ہے اسلام اپنے پیروؤں کے لیے آسانی لایا ہے اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

تاریخ زہد میں ہمیں اس قسم کی بہت سی حکایتیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گروہ نے عذاب اخروی کے خوف سے اپنے نفوس و اجسام کو سخت تکلیفیں پہنچائیں اس لیے وہ دنیا اور دنیا والوں سے کراہت کرنے لگے۔ مقبروں، غاروں اور جنگلوں میں جا چھپے جہاں وہ خوف الٰہی کی وجہ سے رات دن عبادت، استغفار اور گریہ وزاری میں گزار دیتے تھے ان تکالیف شاقہ سے انہیں کیا فائدہ ہوا؟ خواہ مخواہ عمریں ضائع کر دیں

اور معطل ہو کر بیٹھ رہتے۔ اگر یہ لوگ میدان زندگی میں بوجہ اللہ تعالیٰ فلاح و بہبود خلائق اور نشر علم و دین کے لیے کوشش کرتے تو یہ کام افضل اور باقی رہنے والا ہوتا۔

رباح بن عمر قیسی رائے عبادت اور مذہب میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا ہمنوا تھا یہ گریہ وزاری کرنے والے عاشقوں میں سے تھا ہمیشہ ایک نہ ختم ہونے والے ماتم میں رہتا۔ ہمیشہ فریفتہ و غمگین سا رہتا اس سے پوچھا گیا آپ اس قدر غمگین کیوں رہتے ہیں تو وہ کہنے لگا۔

''گنہگار'' مصیبت زدوں کو رونا ہی چاہیے بسا اوقات اس کی گردن میں لوہے کی زنجیر بندھی ہوتی اور وہ گریہ وزاری کرتا ہوا اللہ تعالیٰ سے توبہ و عبادت کے قبول کی دعائیں مانگتا رہتا حتیٰ کہ اس ندامت کی وجہ سے اسے بڑی تکالیف ہوتی رات کو مصلے ہی پر سو رہتا تاکہ بیدار ہوتے ہی زیادہ سے زیادہ گریہ وزاری کر سکے۔

نفسیاتی تحلیل سے ہم پر یہ حقیقت با آسانی منکشف ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ دنیوی اور اخروی نقطہ ابتدا و انتہا سے قطعاً ناواقف تھے۔ بلکہ یوں کہیے کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو ایک مرکز حرکت میں نصب کر دیا تھا اور سارے ماحول کو اپنی طرف دوڑتا ہوا محسوس کرتے تھے حالانکہ وہ خود دوڑ رہے تھے مگر انہیں شعور نہ تھا۔ دنیا ان کی نظروں میں ایک فانی سرائے تھی اور آخرت ایک جاودانی گھر، بلکہ دنیا تو صرف ایک راہ یا وسیلہ تھی اور آخرت منتہا و غایت۔ اس لیے ان میں سے اکثر کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جو شخص دنیا کو قربان کر دے گا۔ وہی آخرت کو

پائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کا سب سے بڑا مظہر ان تمام چیزوں سے بے رغبتی ہی ہوسکتی ہے جس سے دنیا والے رغبت کرتے ہیں اس لیے دنیا ان کی نظروں میں حقیر اور ذلیل ہوگئی۔ ان کے اعمال و اقوال سے جو اس بارے میں ہم یہی نتیجہ نکالتے ہیں یہ ان کی تعلیمات ہی کا اثر تھا کہ اس دور کی کوئی بھی نظم مذمت دنیا سے خالی نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ ابونو اس جیسا شاعر جو ظرافت و مزاح اور فحش نگاری و ہزل گوئی میں مشہور تھا کوئی قصیدہ ایسا نہ لکھ سکا جو خوف آخرت اور دنیوی بے رغبتی کے مضمون سے عاری ہوتا حتیٰ کہ اس سے یہ شعر آفاق شعر کہا۔

اِذَا امۡتَحَنَ الدُّنۡیَا بَیِنب تکشّفت

لَہٗ عَنۡ عَدُدٍ نِی ثِیَابِ صَدِیۡق

عقلمند جب دنیا کو گہری نظر سے دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ دوست نما دشمن ہے۔

زاہدوں کے سالا یہ قافلہ ابو العتاہیہ نے یہ شعر سنا تو وہ کف افسوس ملنے لگا کہ میں نے عمر بھر میں ایک بھی ایسا شعر نہ کہا۔ وہ تمنا کرتا تھا کہ ابونواس اس کا پورا دیوان لے لے اور اسے صرف شعر دے دے۔ ابو العتاہیہ ہمیں زہد کی تعلیم دیتا اور زاہدوں کا حلقہ بگوش بنانا چاہتا ہے۔ وہ ابتدائے عمر میں ایسا نہ تھا بلکہ دور شباب میں بڑا ظریف عاشق مزاج تھا مگر جب وہ عابد و زاہد ہو گیا اور زہد تقشّف کے غار میں جا بیٹھا جو دنیا سے فرار کرنے والوں کی پناہ گاہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عبادت توبہ استغفار و ندامت اور وہمی یا حقیقی معاصی کا سمندر ہے تو زہد کی تعلیم دینے

لگا اگر درحقیقت ان لوگوں سے کچھ لغزشیں ہوئی بھی تھیں تو کیا ہوا؟ ایسا کون ہے جس کی زندگی لغزشوں سے پاک ہو؟ ہماری بہت سی نظریں اور اشارے گناہوں سے بھرے ہوتے ہیں......

اسلام کی سادہ تعلیمات کب اس قسم کے انہدام، تعطل، گوشہ نشین، دائمی رہبانیت اور نفس کو تکلیف دینے کی حامی ہو سکتی ہیں کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں دلچسپی لی، دل پسند چیزوں کو اختیار کیا اور کئی شادیاں کیں گو صرف نفس کی رضا کے لیے نہیں بلکہ دعوت کی تکمیل کے لیے ایسا کیا کلام پاک میں ہے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ رہبانیت شادی بیاہ سے نفرت کرنے کا دوسرا نام ہے۔ واضح آیات بتاتی ہیں کہ ان لوگوں کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہے جو دنیا کو اپنے ظلم، طغیان، کفر اور بے جا غرور سے برباد کرتے ہیں۔ اگر ایک انسان دنیا میں صحیح طور پر ایک نفع رسائی ذات بن کر رہتا ہے تو وہ سزاوار عذاب و عقاب نہیں ہو سکتا۔ عذاب آخرت کا منشا یہی دنیا ہے جو انسانی، بہبود منفعت اور سعادت کی جڑ ہے مگر بعض مفسرین نے آیات کا مطلب الٹا دیا وہ لوگوں کو ڈرانے اور نفرت دلانے لگے حتیٰ کہ دنیا کو ان کی نظروں میں فاسد، کمینہ اور مبغوض اور حقیر بنا دیا اس لیے زاہدوں نے دنیا کو ناقابل التفات سمجھ کر ہاتھ پاؤں توڑ لیے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا ماحول اسی مذہب کا حامی تھا کچھ یہ کہ اس کی افتاد طبع ہی ایسی تھی اس لیے اس نے شادی سے انکار کر دیا حالانکہ ایک عورت کے لیے اس سے زیادہ پسندیدہ چیز کوئی نہیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا فطرت کے

خلاف گامزن ہوئی اور ماں بننے کی خواہش کو، جو ہر عورت چاہتی ہے، سینے کی گہرائیوں میں دفن کر دیا۔ دنیا میں جتنی عورتوں نے ایسا کیا وہ شاذ کا حکم رکھتی ہیں کیونکہ عورت کا شادی سے انکار فطرت کے خلاف ہے۔ وہ تو بقائے نسل کے لیے پیدا کی گئی ہے بے شک حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا عدویہ کا جذبہ خالص روحانی تھا حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا بڑی ذہین اور دیانت دار تھی۔ اس نے نسائیت کی پوری حفاظت کی۔ وہ باعصمت ہونے کے ساتھ حسین بھی تھی مگر وہ زہد پسند بن گئی اس کی طبیعت اس طرف مائل بھی تھی حتیٰ کہ وہ نفس پر پوری طرح قادر ہو گئی اور مطالبات نفسانی کو گہرائیوں میں دفن کر دیا تاکہ روحانی زندگی جو اس کا بلند مقصد تھا، حاصل کر سکے۔ میرا خیال ہے کہ یہی مقصود زندگی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے نفس کی گہرائیوں میں بند کر کے قفل لگا دیا اور کنجی گم کر کے پوشیدہ خزانوں سے غافل ہو گئی۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی وہ گفتگو جو اس نے اپنے ہم مشرب رباح بن عمرو قیسی سے کی جب اس نے اپنے گھرانے کے ایک بچے کو بوسہ دیا اور پیار محبت سے اسے چمٹایا، مجھے بتاتی ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا محبت مادری سے بالکل محروم ہو چکی تھی کیونکہ وہ اپنے ہم مشرب کو پیار کرتے ہوئے دیکھ کر ڈر گئی اور کہنے لگی۔

”میں نہ سمجھتی تھی کہ تیرے دل میں سوا خدا کے کسی اور کی محبت کے لیے بھی جگہ ہے......“

جب رباح نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی ملامت سنی اور

وہ اس کے مدعائے ملامت سے آگاہ ہوا تو فرط تاثر سے بے ہوش کر گر پڑا۔ ہوش آیا تو پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے بولا۔

"میں اس رحمت و رافت کی بنا پر اسے پیار کرنے لگا تھا۔ جو اللہ نے انسان کے دل میں بچوں کے لیے پیدا کی ہے......"

وہ بے چارہ زاہد جو ایک معصوم بچے کو پیار کرنے کے لیے جھکا تھا، حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اسے بتا دینا چاہتی کہ دل میں جو بھی محبت کا جذبہ پیدا ہو وہ اگر خدا کے لیے نہیں۔ تو زاہد اور آداب زہد زہاد کے خلاف ہے۔ اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شفقت مادری کا چشمہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے سینے میں خشک ہو چکا تھا اس لیے اس کا دل ایک بنجر زمین کی مانند ہو گیا تھا۔ جو عالم شباب میں جب وہ ابھی زہد عشق الٰہی میں منہمک نہ ہوئی تھی سرسبز و شاداب تھا اس قسم کی سختی و سنگدلی اگر ایک مرد سے ظہور پذیر ہو تو بھی روح اسلام کے خلاف ہے چہ جائیکہ ایک عورت سے مگر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جو عام عورتوں جیسی نہ تھی، چاہتی تھی کہ ساری زندگی اللہ کے لیے وقف کر دے اور انسان کو کچھ حصہ نہ دے جس سے اسے سوا غلامی اور بدبختی کے کچھ نہ ملا تھا۔ اس لیے اس نے راہ زہد و عبادت اختیار کی تاکہ اپنے ماضی سے انتقام لے سکے اور مقصود پا سکے۔ اس زاہدانہ زندگی میں وہ دن رات تکلیفیں جھیلتی رہی تاکہ اپنی تعلیمات کو لباس عمل پہنا سکے خواہ اسے کتنی ہی مصیبت اٹھانی پڑے شدت ایمان و خلوص نے اسے اس مقصد میں اور زیادہ مستحکم کر دیا حتیٰ کہ اس کے تاثرات و جذبات پر یہی جذبہ چھا گیا

اور وہ اپنے مقصود کی تحصیل میں بالکل بے بس ہو کر رہ گئی اس لیے اس کا طریق ذوق ونظر بدل گیا اس کی آنکھوں پر جو سیاہ چشمہ لگا ہوا تھا وہ اسی کے پیچھے سے دنیا کو دیکھتی تھی دنیا میں اس کی نظر راہبوں کی کملی ہی پر پڑی۔ ہمیں کتب تاریخ سے پتا نہیں چلتا کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے خوشحالی وخوش پوشی کی زندگی بسر کی ہو۔ وہ تو کھردرے صوف کا جبہ پہنتی اور بوریئے پر سوتی تھی جو اس کا مصلا تھا حتیٰ کہ لباس کے بارے میں بھی وہ اس قدر بے رغبت ہو گئی تھی کہ خادمہ عبدہ کو وصیت کی کہ مجھے مرنے کے بعد اس جبے میں لپیٹ دینا۔

میں ان تہ بہ تہ زمانوں کے ورے سے اس نیک زندہ جاوید عورت کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک ایسے دور میں جو اقبال، فتح مندی، علم اور تہذیب و تمدن کا دور تھا کس طرح زاہدہ بن گئی جب عورت ایک نئی زندگی کا افتتاح کر رہی تھیں مگر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ان تمام چیزوں سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشین ہو گئی۔ گویہ چیزیں اسے میسر بھی آئیں اور اس کے سامنے پیش بھی کی گئیں لیکن اس نے ترجیح اس چیز کو دی جو اس کے خیال میں زیادہ اچھی اور پائدار تھی اس لیے وہ اس سیلاب میں نہ بہی جس میں دوسری عورتیں بہی جا رہی تھیں جنہیں تہذیب و تمدن کی رنگا رنگی اور اجتماعی زندگی کے الوان نے دارفتہ بنا دیا تھا بلکہ جنسیات نے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ یہ بات حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے لیے کوئی باعث نقصان عیب نہیں ہو سکتی کیونکہ ہر مرد و زن کو اختیار ہے کہ وہ اپنی پسند سے زندگی بسر کرے بشرطیکہ کسی پر ظلم نہ کرے اور اصول و نظام

کے خلاف نہ چلے۔ اگر کوئی شخص عمومی احکام شرعیہ و اجتماعیہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا تو ہم اس کی آزادانہ روش میں دخل دینے والے کون؟
حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جیسی ذہانت اور ایمان و تجربہ والی عورتیں بہت کم ہوئی ہیں کیونکہ اس میں غرور وتہوار بالکل نہ تھا۔ زہد میں غلو کرنا بھی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے لیے کوئی معیوب بات نہیں۔ اگرچہ زہد در حقیقت دستور و معاشرہ کے خلاف ہے لیکن حیات انسانی و اجتماعی کے لیے عقلاء کی غلطیاں دیوانوں کی سلامتی سے زیادہ مفید ہوتی ہیں۔

حضرت رابعہ عدویہ بصری قلندرؒ کا زمانہ

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ایک ایسے اعلیٰ اسلامی دور میں گزری ہے جو تاریخ عرب میں سب سے زیادہ دقیع ہے کیونکہ اس زمانے میں آفاق عالم پر اہل عرب کا قبضہ تھا اور انہوں نے اپنے پڑوسی ملکوں سے شہریت وتمدن کو بخوبی حاصل کرلیا تھا۔ فارسی، ہندی، رومی، جو داخل اسلام ہو چکے تھے ان سے بھی انہوں نے فیض تہذیب حاصل کیا تھا اور ان کے شہر فتح کر کے دینی تعلیمات پھیلانی شروع کی تھیں۔ عزب و عظمت شہروں میں ٹھاٹھیں مار رہی تھی اور شام و عراق کے اطراف ثقافت و شہریت سے جگمگا رہے تھے بصرہ انہیں شہروں میں سے تھا جس میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا عدویہ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں پیدا ہوئی اور دوسری صدی ہجری کے اواخر تک زندہ رہی یعنی ۹۵ھ یا 99ھ سے 180ھ یا 185ھ تک جیسا کہ تاریخ وتصوف کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ اس پاکیزہ سرزمین سے بحث

کریں جہاں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا پیدا ہوئی جو عورتوں میں یکتا تھی اور اس روحانی مذہب میں جو اس نے برضا درغبت ایجاد کیا تھا مردوں کی قائد و رہبر تھی۔

بصرہ کی بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کے دور خلافت میں خلیج فارس کے کنارے رکھی گئی۔ بغداد اور عرب و عجم کی یہ ایک بڑی بندرگاہ تھی۔ 160ھ میں کوفہ سے ایک سو سال قبل یہ شہر آباد ہو چکا تھا۔ یہاں ایک بڑی بھاری جامع مسجد اموی کی حاکم زیاد بن ابیہ نے نئے اسلامی طرز پر تعمیر کرائی تھی موسم سرما زیادہ بصرہ میں گزارتا اور موسم گرما کوفہ میں بنی تمیم اور دوسرے قبائل بدّو اور شہری عرب بھی یہاں آ کر مقیم ہو گئے تھے اور عیش و عشرت کی زندگی گزارتے تھے۔ ان لوگوں نے شہر کی تعمیر و آبادی میں بڑا حصہ لیا۔

معتبر مآخذ سے پتا چلتا ہے کہ وہ تمیمی، جو بصرہ میں آباد ہوتے تھے، شعر و نقد سے دلچسپی رکھتے اور مجادلہ و مناظرہ کو ناپسند کرتے تھے۔ قواعد و نحو کے تحت گفتگو کرتے۔ اہل کوفہ کی طرح شاذو نادر امور کا استعمال نہ کرتے تھے۔ اہل سنت تھے ان میں سے اکثر دیندار افراد زہد و تصوف کی طرف مائل ہو گئے۔ یہ لوگ اپنے شیوخ حسن بصری امام مالک بن دینار و فضل رقاشی، عبدالواحد بن زید اور صالح مری کے متبع تھے۔

جب اقصائے عالم میں اسلام منتشر ہو گیا تو عرب فاتحین نے بصرہ کو چھاؤنی بنانا مناسب جانا کیونکہ یہ بستی مفتوحہ ممالک کے درمیان واقع تھی اور ہند فارس اور جزیرہ عرب کے لیے قریبی بندرگاہ تھی پھر کیا تھا

بصرہ پر ایسا رنگ چڑھ گیا جو فاتحین کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کیونکہ
بصرہ قریب و بعید والوں کے لیے مرجع انام ہو گیا۔ وہ بڑی منڈی ہونے
کے ساتھ ہی علم و دین کا بھی مرکز بن گیا۔ علماء و محدثین یہاں آ کر رہنے
لگے جو قسم قسم کے علوم میں دستگاہ رکھتے تھے قرآن و حدیث کے بارے
میں ان کی رائیں اطراف و جوانب میں پھیل جاتی تھیں۔ یہ لوگ امت
عربیہ کے لیے حیات فکری کے سرچشمے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کو قرآن جیسی
کامل و مکمل فصیح و بلیغ کتاب سے انتہائی دلچسپی تھی اس لیے انہوں نے
اس سلسلے میں بہت سی کتابیں لکھ ڈالیں اور اس کی بنیاد پر تعلیم و تعلم کی
مجلسیں قائم کر دیں۔ ادھر وہ کلام پاک کی تفہیم و تفہم کے سلسلے میں عربی
نظم و نثر اور اس کی تنقید تنقیح کی طرف بھی متوجہ تھے۔

جو فقہاء معلمین اور ادباء بصرہ میں پیدا ہوئے یا وہاں آ کر آباد
ہوئے وہ صاحب فکر و حکمت تھے اس لیے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا
کے دور میں وہاں ایک بڑا مدرسہ قائم ہو گیا جس کی بہت سی ثقافتی شاخیں
تھیں اور مختلف قبائل و اقوام کے افراد جو نئے نئے اسلام میں داخل
ہوئے تھے، جوق در جوق اس مدرسے میں تحصیل علم کی غرض سے آنے
لگے اس لیے بصرہ اور اس کے اطراف میں ایک وحدت و فکریہ قائم ہو گئی
اس طرح یہ شہر ایک نئے رجحان عقلی اور ایک عمومی مذہب ادبی و اجتماعی کا
گہوارہ بن گیا اس دور اور اس کے بعد والے دور میں بلاد عربیہ کے
درمیان کچھ مادی و سیاسی اختلافات تھے چنانچہ بصری عموماً عثمانی تھے کوئی
علوی شامی اموی اور جزاری خارجی۔ یہ متضاد موجیں ایک دوسری سے

ٹکراتیں اور قوم کی حیات فکری و اجتماعی کو متاثر کرتیں اس دور میں گروہ بندی بہت زیادہ پھیل گئی تھی۔ کچھ لوگ سنی تھے کچھ شیعہ کچھ اموی اور کچھ خارجی حتیٰ کہ یہ جماعتیں ایک دوسری سے ٹکرائیں اور تاریخ عرب کو ہولناکیوں سے بھر دیا۔ اہل بصرہ نے اپنی وحدت نحو و لغت کے بارے میں بھی اہل کوفہ سے کچھ مختلف رائیں قائم کیں جن کی وجہ سے بصری اور کوفی سکولوں نے بہت سے مسائل نحو و اعراب وضع کیے۔

جب دینی تعلیمات کے بارے میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے اور مفسرین کے دو گروہ بن گئے کچھ وہ لوگ تھے جو قیاس و اقتباس کو دخل دیتے تھے اور کچھ تقلید و نقل کے قائل تھے تو تشدد پسند حضرات اپنے مذہب کی تائید میں طرح طرح کی شرح و تاویل کرنے لگے۔ اس لیے خطرہ پیدا ہو گیا اہل ہوا۔ اہل بدعت دین سے کھیلنے ہی نہ لگیں چنانچہ اجتماعی ضروریات کی بنا پر ایک ایسے مذہب کی ضرورت پیدا ہوئی جو معتدل ہو اس لیے مرجہ پیدا ہو گئے جو اختلافات کو صحیح بنیادوں پر قائم کرنا چاہتے تھے۔

بصرہ کے اس شدید بحران کے دور میں ایک عظیم ہستی کھڑی ہوئی جس نے عقلی و نفسی حیات پر ایک گہرا اثر چھوڑا۔ یہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ اس مرد بزرگ نے ہندی و ایرانی اثرات کے مٹانے میں بڑی جدوجہد کی۔ یہ اثرات دینی تعلیمات کو تباہ کرتے ہوئے سانپوں کی طرح بانبیوں سے نکل کر چاروں طرف پھیل رہے تھے۔

یہ اثرات جو چند اوہام و مزاعم باطلہ سے مرکب تھے ایسے وقت

ظاہر ہوئے جب نو مسلم مسلمانوں اور حیات اسلامی میں جذب ہو کر مطمئن زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ گویہ اوہام و مزاعم باطلہ بعض معاشروں میں گھر کر چکے تھے مگر ان سے بھی ثقافت، تہذیب و تمدن اور آرٹ کو بڑا فائدہ پہنچا حکمت ہند صنعت چین اور معارف فارس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمدن عرب کو رنگا رنگی حاصل نہ ہوتی۔ اسلام کی فتح یابی کے بعد کوئی بھی اس طوفان کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ کیونکہ عجمیوں نے ایسے فتنے اٹھا دیئے تھے جن سے اہل عرب آشنا تک نہ تھے خواہ معیشت و روز مرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں یا لہو و طرب کی محفلوں سے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے زمانے میں بصرہ مختلف قسم کی ثقافتوں کا مرکز تھا۔ ایک طرف علما و فقہاء کی مجالس گرم تھیں تو وہ دوسری طرف عیاش طبع گروہ کی بھی گرم بازاری تھی متمدن شہروں کا ہی حال ہوتا ہے کہ وہاں متضاد و ثقافتوں کے مرکز ہوتے ہیں بصرہ میں ایسے صاحب جاہ تو انگر بھی تھے جو داد عیش دے رہے تھے اور ایسے فقراء بھی جو سد رمق پر گزارہ کر کے بغض و حسد کی نگاہوں سے یہ نمایاں طبقاتی تفادت دیکھ رہے تھے۔ بصرہ میں چاروں طرف سے آنے والوں کی اس قدر کثرت تھی کہ شہر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ گو یہاں کے باشندے ایک دوسرے سے مختلف تھے مگر دینی وحدت انہیں جمع کیے ہوئے تھی لیکن عربی عصبیت کے وہ نعرے، جو عہد اموی میں بلند ہو رہے تھے اسلامی مساوات پر غالب آ چکے تھے حالانکہ اسلام کھلے بندوں کہہ رہا تھا کہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں نہ کسی عجمی کو کوئی فضیلت ہے معیار فضیلت تو صرف تقویٰ ہے عجمی

اور بیرونی باشندوں میں بڑے بڑے صاحب علم و تقویٰ بزرگ تھے مگر عربی امیر کبیر کب اسے گوارا کر سکتے تھے اس لیے حکومت کی سیاست ایک عجیب کش مکش میں مبتلا تھی کیونکہ ان اجانب و موالی کو جو اسلام میں داخل ہوئے تھے اور صاحب فکر و معرفت تھے۔ یہ بات سخت گراں گزرتی تھی کہ انہیں حقیر سمجھا جاتا ہے ان کے غصب کردہ حقوق واپس نہیں دیئے جاتے اور قرین انصاف و اسلام معاملہ نہیں کیا جاتا۔ اس آرزو کے پورا کرنے کے لیے انہوں نے بہت سے اسباب و وسائل اختیار کیے۔ انہوں نے دیکھا کہ علم سے بہتر کوئی چیز نہیں جو لوگوں کی نظروں میں ان کی عزت بڑھا سکے اس لیے اسی میں کمال پیدا کیا اس دور میں جن علوم کا رواج تھا وہ یہ تھے۔

فقہ، حدیث، قرآن تفسیر، روایت، تاریخ، مغازی، تاریخ خلفا قصص انبیاء اصول فقہ اور افتاء۔

یہ علم کی وہ شاخیں تھیں جو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے دور میں رواج پذیر تھیں اور جن میں موالی نے کمال پیدا کیا تھا تاکہ عصبیت عربیہ کو کم کر کے حکام کا تقرب اور اہل عرب پر تفوق حاصل کریں چنانچہ اموی دور حکومت میں بھی قیادت فکر یہ انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں تھی۔ تو یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے اور دل و جان سے اسلام کی خدمت کرتے تھے۔ لیکن ان کے مکدر قلوب کینہ و مکر سے خالی نہ تھے نہ یہ لوگ اپنے موروثی مراسم بالکل چھوڑ چکے تھے اس لیے ان کی بیشتر رسوم دین اسلام میں داخل ہو کر باعث اختلاف و جدال بن گئیں اور انہوں نے

اسلامی روپ دھار لیا اسلام ان سے بالکل بری ہے کیونکہ یہ رسوم پرانے مذہب مثلاً برہمنیت و صابئیت سے آئی ہیں جس طرح عصبیت نے سیاسی و قبائلی میں گروہ بندی کر دی تھی اسی طرح ان خیالات سے مذہبی فرقے پیدا ہو گئے یہ فرقے عجیب و غریب سخیف خیالات کے موید تھے مثلاً حلول، تناسخ، وراثت امامت وغیرہ قسم کی بدعتیں جو تمام کی تمام موالی کی زہر افشانی اور جذبہ انتقام و حسد پر مبنی تھیں۔ وہ برابر اس قسم کی حرکتیں کرتے رہے۔ حتیٰ کہ خلیفہ عادل بن عبدالعزیز کا دور آیا جنہوں نے موالی کی طرف خاص طور پر نظر التفات کی صرف ان کے دور میں ان لوگوں نے آزادی کا سانس لیا اور جس مساوات کے وہ خواہاں تھے اس پوری طرح بہرہ ور ہوئے۔ خلیفہ نے قضا وفتویٰ کا کام ان کے سپرد کیا اور خود زہد تقشّف میں مصروف ہو گیا۔ اس لیے وہ اس سے پوری طرح مطمئن ہو گئے خلیفہ نے یزید بن حبیب قبیلہ ازد کے موالی کو مفتی مصر بنایا۔ یہ مشکلات حلال وحرام میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ نفقہ دینی و روایت حدیث اور تاریخ غزوات وفتن کے بھی وہ ماہر تھے حبیب کی وفات 128ھ میں ہوئی۔ یہ بربری تھے۔

ان مخلص موالی علماء میں جن کے دم سے علم و دین کی مجلسیں گرم تھیں۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ تھے انہیں مسلمانوں کی پر فساد زندگی کا بڑا دکھ تھا اس لیے انہوں نے دعوت حق اور اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ پھر تقشّف و زہد کی طرف مائل ہو کر اپنا پیغام پہنچانے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ ان کے شاگرد اور متبعین ان کے پیغام پر کمر بستہ

ہوئے۔ حضرت حسن رحمتہ اللہ علیہ اپنے دور میں زاہدوں کے امام تھے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے ان تابعین کے حلقہ درس و ذکر میں شرکت کی اور ان کی ثقافت میں بیش از بیش حصہ لینے لگی حتیٰ کہ بڑی ماہر ہو گئی۔ وہ اپنے معاصرین سے زہد میں سبقت لے گئی۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے حوادث دہر اور حیات فکری و اجتماعی کا بخوبی مطالعہ کیا تھا حتیٰ کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس کے احاطہ علم سے باہر نہ رہی تھی اس نے افتادِ طبع کے مطابق ایک روحانی مذہب ایجاد کیا تاکہ انسان سے خلاصی حاصل کرے اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائے کیونکہ انسان سے ناکامی غبن، غلامی اور اغراض کے لیے ریا کو تسخیر کرنے کی ہوس کے سوا اس نے کچھ نہ دیکھا۔ البتہ صرف اس جانب اس نے پورا پورا سکون محسوس کیا۔

غرض حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے بہترین اموی عباسی دور دیکھا تھا۔ اہل عرب کی جدید زندگی میں یہ دور مملکت عقل و فکر اور مادی و معنوی قیمتوں کے اعتبار سے زریں دور تھا اور اگر کہیں اس دور کو سکون و اعتدال حربی و سیاسی میسر آ جاتا ہے تو یہ زمانہ عزت فتح و عربیت نصرت فکر اور صفائے مزاج کا موقع ہوتا لیکن اس دور میں چونکہ عصبیت اختلاف رائے و مذہب اور حکومت و مناسب کے بارے میں شدید رسہ کشی تھی اس لیے بغض و کینہ اور گروہ بندی حد سے زیادہ تھی۔ بعد کے زمانوں پر بھی اس کا اثر پڑا حتیٰ کہ یہ بیماریاں شعوب عربیہ و اسلامیہ کا خاصہ بن کر رہ گئیں اور عداوتیں سلف کو وراثتاً پہنچیں حالانکہ دین حنیف تو

اس سے بالکل مبرا ہے اب ہم لوگ پہلی سی عزت و بزرگی جبھی حاصل کر سکتے ہیں کہ ان بیماریوں سے نجات حاصل کریں محبت و خلوص سے کام لیں اور ایک ایسی قوم کی تشکیل کریں جو خدا اور وطن پر جان چھڑکتی ہو۔ تاکہ یک جان ہو کر دشمنان اسلام کا مقابلہ کر سکیں جو استعمار و عصبیت کے جال ہم پر پھینک رہے ہیں۔ یہی ایک راستہ ہے جس سے ہم دین کا مقصد پورا کر سکتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصریؒ عاشقان الٰہی کے ساتھ

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا تہجد گزار عابدوں کے ساتھ رہنے لگی۔ اس کے خیال میں تہجد کا دینی مفہوم یہ تھا کہ عبادت و ریاضت میں ساری رات گزار دی جائے اس لیے وہ ایسا ہی کرتی اور جب کسی بیماری یا نیند سے مغلوب ہوکر ذرا سو جاتی تو جلد ہی ایک دم کھڑی ہو جاتی تا کہ حسب سابق استغفار و تسبیح میں مشغول ہو جائے حقیقت یہ ہے کہ اس کا اس قدر انہاک اپنے قلبی اطمینان اور بزرگان دین کے اتباع کی ہوس میں تھا۔ جن بزرگوں کو اس نے دیکھا تھا کہ وہ اس کی طرح دنیا اور اس کے اسباب سے بیزار ہیں وہ رات بھر عبادت کرتے، دن بھر روزہ رکھتے تاکہ قرب الٰہی حاصل کرسکیں اور ایک ایسی فضا میں زندگی گزار سکیں جہاں شیطان کا گزر نہ ہونے پائے۔

جب کسی غمگین مایوس انسان کو کوئی بڑا حادثہ پیش آتا اور اس پر غم والم کا دور دورہ ہوتا ہے۔ تو وہ یہی آرزو کرنے لگتا ہے کہ کاش وہ پیدا ہی

نہ ہوتا۔ دنیا حزن و ملال کے باعث اسے تیرہ و تار نظر آتی ہے اور ایسے حوادث سے دو چار ہونے لگتا ہے جن پر وہ سخت نادم ہوتا ہے تو اس شخص کا کیا حال ہو گا جو ہمیشہ ہی غمگین نظر آتا ہو اور ہمیشہ اس دردمند عورت کی طرح روتا رہتا ہو جس کا جوان بچہ مر گیا ہو؟

خشوع و خضوع، تضرع و رازی اور سوز درون ان شب زندہ دار عبادت گزاروں کا شیوہ تھا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور آخرت کے لیے جانیں وقف کر دی تھیں۔ بسا اوقات وہ ساری رات گریہ وزاری کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ آنکھیں زخمی اور پے در پے سجدہ ریزیوں سے پیشانیاں سخت کھردری ہو جاتیں یہ لوگ بکائین (گریہ وزاری کرنے والے) کہلاتے تھے۔ کتابوں میں ان کی مجالس ذکر و فکر اور تعلیمات و مکالمات کا تفصیلی بیان ہے، یہ لوگ دوسروں سے دنیا اور اسباب دنیا کے انہماک پر مواخذہ کرتے اور اپنے نفوس کو دنیا داری سے بری رکھتے تھے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی مجلس میں ایسے ہی لوگ ہوتے تھے جو اس سے اس قسم کی تعلیمات حاصل کرتے اور مسائل کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے تھے۔ وہ جب کبھی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ایسے خاموش کن جوابات دیتی جن سے وہ پوری طرح مطمئن ہو جاتے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی عبادت و بحث و تمحیص میں سب سے زیادہ حاضر باش حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ تھے جنہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو مودب کا لقب دیا تھا۔ ایک دن وہ دوستوں سے کہنے لگے آؤ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے پاس چلیں

کیونکہ بغیر اس کی باتوں کے مجھے چین نہیں آتا۔ جب حضرت سفیان،
حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے ہاں پہنچے تو ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے
ہوئے کہنے لگے۔ ''پروردگار! سلامتی عطا فرما۔''
یہ سنتے ہی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا زار و قطار رونے لگی۔
انہوں نے دریافت کیا۔
''آپ کیوں رونے لگیں؟''
حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے تعریضاً جواب دیا۔
سفیان! تو ہی میرے رونے کا سبب بنا ہے۔ تو نے مجھے رونے پر
آمادہ کر دیا۔ تجھے معلوم نہیں کہ سلامتی صرف ترک دنیا میں ہے اور تو
ایک انتہائی دنیا دار انسان ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔ حضرت
سفیان رحمتہ اللہ علیہ کوئی دنیا دار آدمی نہ تھے البتہ وہ حضرت رابعہ بصری
رحمتہ اللہ علیہا کی طرح تارک الدنیا نہ تھے۔ انہوں نے دنیا کے لیے
صرف اتنا ہی وقت چھوڑا تھا کہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے۔
حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو یہ بھی دنیا داری معلوم ہوتی تھی۔ وہ
چاہتی تھی کہ انہیں اس سے پھیر دے اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف لگا
دے۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ ایک دفعہ کہنے لگے۔
میں ایک رات حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے پاس تھا۔ ہم دونوں
صبح تک نماز پڑھتے رہے، صبح ہوتے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا بولی۔
''ہمیں آج کے دن ان شبینہ طویل نمازوں کے لیے شکریے کے
طور پر روزہ رکھنا چاہیے۔'' ایک زاہد نے بیان کیا ہے کہ وہ حضرت رابعہ

بصری رحمتہ اللہ علیہا کے ساتھ یاد الٰہی میں مشغول رہا۔ پھر دونوں معرفت و تفقہ دینی کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ اسرار وجود میں بڑی دیر تک گفتگو جاری رہی حتیٰ کہ زاہد یہ بات بالکل بھول گیا کہ وہ مرد ہے اور حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا عورت ہے۔ جب گفتگو اختتام پذیر ہوئی اور مقصود واضح ہو گیا تو اس شخص نے محسوس کیا کہ وہ بالکل تہی دست ہے اور حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا معرفت و اخلاص سے مالا مال۔

ایسا معلوم ہوتا ہے زاہد نے اپنے اور حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے اسرار کا جائزہ لیا تو بڑا بھاری فرق محسوس کیا اور دیکھا کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ایک ایسے مرد کامل کی سی عقل رکھتی ہے۔ جسے دقیق سے دقیق روحانی مسئلہ مشکل معلوم نہیں ہوتا کیونکہ وہ بڑی زیرک، دانا اور صائب الرائے تھی۔ ایک دن حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی مجلس میں بیٹھے ہوئے مذمت دنیا میں حصہ لے رہے تھے۔ کہنے لگے۔

"دنیا پر افسوس ہے۔"

ابھی وہ بات پوری کرنے نہ پائے تھے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا بولی۔

"جھوٹ مت بول۔ یہ مجھے دنیا پر کس قدر کم افسوس ہے۔ کیونکہ اگر تجھے دنیا پر افسوس ہوتا تو عیش و نشاط کی زندگی بسر نہ کرتا۔"

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اپنے رفقائے چاہتی تھی کہ وہ دنیا کو بالکل...... چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ آخرت کے سوا کسی چیز کی فکر نہ

کریں۔ قیامت اور حساب کتاب کے ذکر سے تو وہ بہت ہی ڈر جاتی تھی۔ اس لیے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے لگتی کہ وہ اسے عذاب سے بچا لے جب کبھی وہ اذان کی آواز سنتی اسے آخرت کی منادی یاد آ جاتی۔ جب ٹڈی اڑ کر گزر جاتی تو حشر کا نقشہ اس کے سامنے پھر جاتا۔ برف دیکھتی تو قیامت کے نامہ اعمال یاد آ جاتے۔ یہ سب کے سب نفسانی وسواس ہیں۔ جن کے متعلق ماہرین نفسیات بیان کرتے ہیں کہ بعض مریض جب برفانی خطوط دیکھتے ہیں تو انہیں بھولے ہوئے معاملات یاد آ جاتے ہیں جو نفس کی گہرائیوں میں پڑے ہوئے ہیں اور بعض لوگ جب کبھی کوئی ایسی چیز دیکھتے ہیں جس سے کوئی مدفون بات یاد آ جاتی ہے تو ان کے باطن میں آندھیاں سی چلنے لگتی ہیں۔

ان عذاب قیامت سے ڈرنے والوں پر کبھی وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو یہ لوگ سراسیمہ ہو کر گریہ وزاری اور توبہ و استغفار میں مشغول ہو جاتے ہیں تاکہ ان کے قلوب مطمئن ہو جائیں اور وہ اس حقیقی یا وہمی احساس سے نجات پا سکیں۔ ایک شخص نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے سوال کیا۔

میں نے بڑے گناہ کیے ہیں۔ اگر میں تائب ہو جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول کر لے گا؟

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے جواب دیا۔

''ہرگز نہیں۔ اگر وہ تیری توبہ قبول کر لیتا تو میں توبہ نہ کر لیتی......''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا خیال تھا کہ صرف استغفار توبہ

کے لیے کافی نہیں ہوتا بلکہ مجاہدات کرنے ضروری ہیں جب کہیں رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے اور انسان گناہوں سے پوری طرح آزاد ہو سکتا ہے۔ اس لیے اسباب مواخذہ و معصیت کے چھوڑے بغیر صرف استغفار کافی نہیں جب تک عمل اور سلوک سلیم اس کے ساتھ شامل نہ ہو جس سے عزم و استقلال کا اظہار ہوا۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے ایسی بہت سی باتیں کہی ہیں جو محتاج نظر تاویل ہیں جیسے اس کا یہ قول۔

''ہمارا استغفار ایک دوسرے استغفار کا محتاج ہے کیونکہ ہم اپنے استغفار میں سچے نہیں ہوتے۔''

یہ قول بھی اس قبیل سے ہے۔

''میں استغفر اللہ کہنے پر خدا سے استغفار کرتی ہوں۔ کیونکہ میرے استغفار میں سچائی کم ہوتی ہے۔''

استغفار و توبہ میں اس قدر تشدد صدق و ایمان حساب و عقاب اور حشر ونشر کے بارے میں سچا عقیدہ رکھنے کی دلیل ہے اس امر کا بھی واضح ثبوت ہے کہ ان مجذوب زیاد کے دل صاف شفاف تھے۔ انہوں نے زندگی کی طرف رخ بھی نہیں کیا۔ نہ ان کے نفوس زندگی کی مشکلات اٹھانے کے قابل تھے۔ نہ وہ روزمرہ کا عقدہ مشکلات کھولنے کی طاقت رکھتے تھے مذہب تو کبھی فطرتاً زندگی گزارنے سے نہیں روکتا اس لیے آج کل کی اصلاح کے مطابق ہم ان لوگوں کا نام منہمک فی العبادت رکھ دیتے ہیں کیونکہ یہ لوگ نہ تو زندگی کے مصرف کے تھے نہ اس حیات اسلامیہ کے کام کے لیے جس کی طرف اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دعوت دیتے ہیں۔ وہی توبہ اور اس کا مفہوم تو وہ خاص ندامت کا نام ہے جو تائب کی ذات پر طاری ہو جاتی ہے۔ ماہرین نفسیات و روحانیات اسے اندرونی آواز سے تعبیر کرتے ہیں جو انسان کو پچھلے معاصی مظالم کے مٹانے پر اکساتی اور صلاح تقویٰ کی دعوت دیتی ہے۔ ہم لوگ آج کل اسے ضمیر کی آواز سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لیے تو یہ ایک قسم کے شریف نفسانی میلان کا نام ہے جو شر سے خیر کی طرف لوٹنے پر دلیل ہے۔ بڑے بڑے گنہگار ایک دفعہ تو نادم ہو ہی جاتے ہیں۔ توفیق توبہ عطیہ الٰہی ہے اور فطرت انسانی کے عین مطابق۔

شب بیدار، زہد پسند حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا گھنٹوں اللہ تعالیٰ سے گڑگڑاتی کہ وہ اس کو قبول کر لے گا۔ رابعہ! تو نے کیا گناہ کیا ہے جو تو اس طرح گڑگڑا کر توبہ کرتی ہے؟ میں اپنے اس سوال کا کوئی جواب نہیں پاتا سوا اس کے کہ خیالی گھوڑے دوڑاؤں اور ان حوادث کی تاویل کروں جو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا پر گزرے جنہوں نے اسے خاموش کر دیا تھا۔ مگر کیا اس طرح کی باتیں میرے لیے جائز ہو سکتی یا صحیح وغیر صحیح قرار دی جا سکتی ہیں جب حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا پردہ غیب میں روپوش ہو چکی ہے اور بات نہیں کر سکتی۔ مجھے غیبی باتوں کا کوئی علم نہیں۔ رہے شطحیات صوفیہ جو اس زمانے کی الجھی ہوئی روحانیت کے مطابق تھے تو ان پر میں بھروسہ نہیں کر سکتا کیونکہ ٹیلی ویژن اور راڈر کے ہوتے ہوئے بھی ہم ان گزری ہوئی باتوں کا صحیح علم حاصل نہیں کر سکتے اور ان کی حقیقت نہیں پا سکتے۔

یہ وہ حالات تھے جو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو اپنے زاہد و عابد بھائیوں کے ساتھ پیش آتے رہے وہ حالات جو عاشق الٰہی زاہد عورتوں کے ساتھ پیش آئے وہ بھی کچھ کم عجیب نہیں۔ اس زمانے میں ایسی صاحب بصیرت زاہد عورتوں کی بھی کچھ کمی نہ تھی جو اس قسم کے خیالات و میلانات رکھتی تھیں۔ اس دور میں بصرہ کے اندر کئی قماش کی عورتیں تھیں۔ بعض فقیہ اور محدث تھیں تو بعض سیاسی اور تعصب حیات فکریہ میں حصہ لینے والی تھیں تو بعض گانے بجانے، ناچنے اور رنگ رلیاں منانے والی۔

جو عورتیں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے نقش قدم پر چلتی تھیں۔ وہ کچھ تھوڑی یا ناقابل ذکر تعداد میں نہ تھیں مگر وہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا سا صبر نہ کر سکیں نہ اس جیسی بصیرت پا سکیں۔ نہ انہوں نے اس قدر عبادت اور مجاہدات کیے جس قدر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے کیے بلکہ ان کی عقلیں اس قدر وسیع نہ تھیں کہ تصادم الٰہی یا اسرار حق پا سکتیں اس لیے ان میں سے بیشتر جادہ مستقیم سے منحرف ہو گئی تھیں چنانچہ بعض مرد و زن انہیں مجذوب شمار کرتے تھے۔ امام ابو القاسم نیشا پوری رحمتہ اللہ علیہ نے جو پانچویں صدی ہجری میں فوت ہوئے۔ ان ہوشیار دیوانوں کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ بہت سی بڑی زاہدہ عورتوں کا ذکر کرتے ہیں جو کثرت عبادت و خلوت سے مخبوط الحواس ہو گئی تھیں۔ ان میں سے ایک حیونہ بھی تھی۔ یہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی سہیلی تھی۔ ایک رات اس کے پاس آئی۔ جب کچھ رات گزر گئی تو

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اونگھنے لگی۔ نیند سے اس کی آنکھ لگ گئی۔ حیونہ اٹھی یہ دونوں ساتھ ساتھ تہجد پڑھ رہی تھیں اور اسے ٹھوکر مارتے جھڑکتے ہوئے جگانے لگی۔ بولی:

''رابعہ! اٹھ ہدایت پانے والوں کی شب عروسی کا وقت آ گیا۔ اری کیسی مقدس ہے وہ ذات جس نے رات کی دلہنوں کو تہجد کے نور سے زینت دی۔''

نیشاپوری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی اس عابدہ زاہد سہیلی کے حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں وہ کہتا ہے اک دن حیونہ، عبدالواحد بن زید کے دروازے پر پہنچی اور مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگی یہ بڑا عابد و زاہد عاشق الٰہی تھا۔ اس نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو پیام دیا تھا۔ ''ارے زبان دراز ذرا اپنے بارے میں بول۔ واللہ اگر تو مر جائے تو میں کبھی تیرے جنازے کے پیچھے نہ جاؤں۔''

اس نے دریافت کیا۔

''حیونہ کیا بات ہے؟''

وہ بولی۔

''تو مخلوق کے بارے میں بڑی زبان درازی کرتا اور اس سے قرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تیری مثال ایک چھوٹے بچے کی سی ہے جو معلم سے شام کو سبق یاد کر لیتا ہے اور جب ماں کے گھر پہنچ جاتا ہے تو صبح ہوتے سب کچھ یاد کیا کرایا بھول جاتا ہے حتیٰ کہ معلم کو اس کے

مارنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جا عبدالواحد ادب کے درے جسم پر لگا اور قناعت کا توشہ مہیا کر۔ پہلے جو تیری حالت ہے اس پر گفتگو کر پھر مخلوق کے بارے میں کچھ کہنا۔"

عبدالواحد نے جو حیوانہ کی یہ باتیں سنیں تو ندامت سے اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی اور خاموش چلا گیا۔ ایک سال تک اس نے کسی سے بات تک نہیں کی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حیوانہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی طرح ان لوگوں کا مذاق اڑاتی تھی جو اس جیسی عبادت اور خلق سے بے رغبتی نہ کرتے تھے اور اس کی مانند خدا کے تقرب کے طالب نہ تھے مگر وہ دونوں یہ بھول گئیں کہ اللہ تعالیٰ عمل اور عام بھلائی کے لیے کوشش کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام میں نظام معاملہ و مبادلہ اسی دنیوی زندگی کے لیے ہے اسلام نے محض آخرت کی خاطر گوشہ نشینی کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی جیسا کہ زاہد لوگ خیال کرتے ہیں۔

حیوانہ جیسی بہت سی عورتیں گزری ہیں جن کے بہت سے اشعار، وعظ، ادب اور صوفیانہ اسرار کے حامل ہیں جو ان کے مخلوق سے دور رکھنے والے مذہب کا آئینہ ہیں۔ نیشاپوری نے مجنون عقلاً میں ان کا ذکر کیا ہے۔

رہی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے عقلی خبط سے محفوظ رکھا۔ وہ بڑے لوگوں کی طرح ثابت قدم رہی۔ وہ اس امر کی بہترین مثال تھی کہ عورت بھی علم، ایمان اور تقویٰ و طہارت میں مردوں کی ہم پلہ ہو سکتی ہے حتیٰ کہ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ امام

تصوف فارسی اسے اس دور کے بڑے عارفوں کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔
وہ لکھتے ہیں۔

"ہم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے نصف دین حاصل کیا ہے۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اگر ہم حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوئی گو وہ ان جیسی حدیث و فقہ کی عالم نہ تھی، عمدہ نصائح، خالص مجاہدہ اور درخشاں معرفت حاصل کریں۔"

لوگوں کی زبانوں پر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا تذکرہ تھا کیونکہ اس سے ایسے کارہائے نمایاں صادر ہوئے تھے جن سے مرد عاجز تھے اور وہ سبھوں سے گویا سبقت لے گئی تھی۔ یہ ایک عجیب روحانی مذہب تھا جو اس نے قواعد معرفت پر قائم کیا تھا جیسا کہ اس زمانے کے عارف کہتے تھے۔ ان عارفوں کا گروہ ایک ایسا علمی صوفیانہ حلقہ ہے جس تک صرف اسی شخص کی رسائی ہوسکتی ہے جو تیز نظری، روحانی پاکیزگی اور دینی سچائی کا مالک ہو۔ یہ تمام اوصاف حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا میں جمع تھے جن کی وجہ سے وہ اس بلند درجے تک پہنچی اور اگر بالفرض یہ مسلک اس نے ایجاد نہیں کیا اور اس معاملے میں اس نے سبقت نہیں کی تو بھی معرفت الٰہی کے لیے روشن دل کی ضرورت ہے جو گمراہی و کجروی سے پاک ہو اور علم کی استعداد رکھتا ہے تاکہ زندہ کشف پا سکے اور ایسے لطیف حقائق کو لے سکے جو دست و نظر سے بالاتر ہیں۔

سفر حج

اس میں شک نہیں کہ صاحب استطاعت پر حج فرض کیا گیا ہے اس لیے ہر مسلمان کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ حج کرے خصوصاً عابد و زاہد حضرات تو اس کے بڑے متمنی ہوتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں تو جہازوں کی وجہ سے سفر بہت آسان اور مختصر ہو گیا ہے مگر اگلے وقتوں میں لوگ تپتے ہوئے صحرا میں اونٹوں پر بڑی مشکل سے یہ طویل سفر کرتے تھے۔ اب بھی اس خیال کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو قدماء کے طرز پر سفر حج پسند کرتے ہیں۔ ادھر موسم حج آیا ادھر اہل شوق مرد و زن نکل کھڑے ہوئے۔ وہ دن رات اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ انہیں حج نصیب ہو۔ یہ شعور اس وقت اور چمک جاتا ہے جب انسان خانہ کعبہ اور منزل وحی کو دیکھتا ہے اور اس سرزمین پر اس کی نگاہیں پڑتی ہیں جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے جوں جوں زمانہ گزرتا گیا یہ

سرزمین اسلام اور اہل عرب کی بزرگی کا سبب بنتی گئی۔

حج کی آرزو مسلمانوں کے لیے ایک معمولی بات ہے وہ تکالیف جو سفر میں درپیش آتی تھیں، کوئی بھی ان کی پروا نہ کرتا تھا۔ گرمی، سردی، بھوک، پیاس اور بدامنی کو کوئی خاطر میں نہ لاتا تھا کیونکہ خانہ کعبہ کا شوق ان سب پر غالب رہتا۔

سال آتے اور گزر جاتے۔ لوگ حاجی کو ایک گم شدہ کی طرح دیکھتے۔ جب وہ لوٹتا تو غنیمت باردہ سمجھا جاتا۔ اس کے خاندان والے خوشی خوشی اس سے ملتے کہ بخیریت واپس آ گیا ہے انہیں دہری خوشی ہوتی ایک تو یہ کہ وہ حج کی برکت سے مشرف ہوا دوسرے یہ کہ صحیح سالم واپس آیا ہے۔ یہ بات مشہور تھی کہ حج کا ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔ یہ گویا حاجیوں کے لیے ایک قسم کی تسلی تھی کیونکہ وہ بڑے سخت مصائب برداشت کرتے تھے۔

ہمارے یہ خیالات عام لوگوں کے بارے میں ہیں۔ تو عاشقان الٰہی زاہدوں کا کیا عالم ہوتا ہو گا حتیٰ کہ ہم حضر رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا عدویہ تک پہنچ جاتے ہیں وہ عابدہ و زاہد عورتوں کی سرگروہ تھی۔

ان لوگوں کے قصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحراؤں کے سینوں کو چیرنے میں بڑی ہولناک تکالیف اٹھاتے تھے۔ تاکہ خانہ کعبہ اور مہبط وحی تک پہنچ سکیں۔ ایسے ایسے قصے اس زمانے کے متعلق بیان کیے جاتے ہیں جن کی تصدیق کرنی ہمیں دشوار ہو جاتی ہے کیونکہ ایسے واقعات آج کل ظہور نہیں پاتے ہم ان لوگوں میں ایسے متدین لوگ پاتے ہیں جنہوں

نے پیادہ پا حج کیا اور دوسروں کے لیے اپنے آپ کو ہلاکتوں میں ڈال دیا۔ تاکہ وہ اجر جس کے وہ متمنی تھے، حصل کرسکیں بعض ایسے بھی تھے جو موسم حج کے ختم ہونے سے پہلے ہی جان بحق ہو گئے۔ بعض عورتیں مردوں کے دوش بدوش مصائب حج برداشت کرنے کے لیے اٹھیں اگرچہ انہوں نے مردوں جیسی تکلیفیں نہ اٹھائیں۔ گزشتہ زمانوں میں حاجی یا مر جاتے تھے یا لوٹ لیے جاتے تھے تو کوئی تعجب کی بات نہیں اگر اس زمانے کے حاجی ہولناکیوں سے دو چار ہوتے اور مصیبتیں برداشت کرتے تھے۔ بعض لوگ شروع ہی میں مر جاتے جب بھی قوم انہیں شہید تصور کرتی۔

اس ماحول کا تصور کرتے ہوئے ہم دور حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے خدا پرست زاہدوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں میں سب سے زیادہ حج کے مشتاق نظر آتے ہیں اور مصائب سفر کے لیے پیش پیش ہیں حتیٰ کہ بعض لوگوں نے بصرہ اور مکہ کا سفر برسوں میں طے کیا۔ انہوں نے خطروں، لوٹ مار اور بیماریوں کی کچھ پروا نہ کی۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سرگروہ زھاد نے تو سرزمین کعبہ مہبط وحی کی طرف متعدد سفر کیے اس نے بڑے شوق سے فریضہ حج ادا کر کے دلی آرزوئیں پوری کیں۔ وہ ریگستانوں میں قافلوں کے ساتھ روانہ ہوتی۔ نہ خطرات کی پروا کرتی نہ تھکن کی بلکہ گاتی اور پروردگار سے مناجات کرتی چلی جاتی۔ جب قافلے ریگستان کی تپش سے بے ہوش ہو جاتے تھے وہ پکارتی ''پروردگار! تو نے دو باتوں کے اجر کا وعدہ کیا ہے

ایک حج دوسرے حج کے شدائد کا برداشت کرنا۔ اگر میرا حج تیرے نزدیک مقبول نہیں تو بڑے افسوس کی بات ہے کیونکہ یہ جو مصیبتیں میں اٹھا رہی ہوں یہ تو بڑی ہی سخت ہیں۔''

یہ دعا حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے زمانہ حج کی ذہنیت کا آئینہ ہے۔ تاریخ سے ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ وہ کب حج کے لیے گئی تھی۔ غالب گمان یہ ہے کہ اس کی یہ دعا سب سے پہلے حج سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ وہ اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے حج کی قبولیت چاہتی ہے اور اگر اس پر بھی اس کا حج قبول نہیں ہوا تو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی کوشش کے رائیگاں جانے کا ہمیں بھی افسوس ہے۔ مگر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا دنیا کو چھوڑ کر رات دن عبادت میں لگی رہتی تھی اس کا مقصد حج سے ثواب کا حصول نہ تھا بلکہ تقرب الٰہی اور اور اسرار وجود کی طلب تھی کیونکہ رابعہ معرفت و عبادت میں بہت آگے نکل چکی تھی۔ وہ چکر کاٹتی ہوئی فضائے آسمانی میں پرواز کر رہی تھی جہاں وہ بازوؤں کے ذریعے سے نہیں پہنچی تھی بلکہ حاصل جذبہ شوق اور ذات الٰہی میں فکر و تعمق نے اسے یہاں تک پہنچایا تھا۔ وہ اسی طرح تفکر و تامل کرتی رہی اس کی اس قسم کی دعائیں اور باتیں ایک رمزی معنی لیے ہوتی ہیں جیسا کہ زاہدوں کا شیوہ ہے کہ وہ رموز و اسرار کے پیرائیے میں باتیں کیا کرتے ہیں۔

شاید اس درجے تک حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا آدھی عمر گزر جانے اور معرفت و بصیرت کے پختہ ہو جانے کے بعد پہنچی ہے راہ سلوک میں اس مرتبے کو پہنچ جانا ایک فطری بات ہے کیونکہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا

نے اپنے سے معمر اولیاء و صالحین سے استفادہ کیا تھا یقیناً اس کے لیے بھی کامیابی کا وقت آ پہنچا ہو گا جو اس کے استادوں اور ہم عصروں تک پہنچا، ہاں یہ ضرور ہے کہ مقامات صوفیہ و کرامات روحانیہ تک پہنچنے کے لیے استاد و شاگرد کے درمیان کوئی وقت کا تقرر تو پہلے سے ہوتا نہیں۔ بسا اوقات ایک مرید شاگرد عبادت و مجاہدات کے استغراق میں ایک آن کے اندر اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس سے پہلے آنے والے نہیں پہنچ پاتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا اپنی طویل عمر کے دوسرے مرحلے میں حج کے لیے جانا خالص ذات الٰہی کے لیے تھا، نہ طلب ثواب کے لیے نہ خوف عقاب سے نہ بیت الحرام کی رغبت کے باعث۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے اس دور سے متعلق عجیب عجیب حوادث اور حکایات ہیں جو خرافات سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہیں۔ چنانچہ بہت سی تاریخی کتابیں ایسے امور کا ذکر کرتی ہیں جن میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی کرامات کا پورا پورا ظہور ہے۔ ایک حکایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا حج کے لیے قافلے کے ساتھ روانہ ہوئی تو اس کے ساتھ ایک گدھا تھا جس پر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا سامان لدا ہوا تھا۔ راستے میں گدھا مر گیا حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا وہیں ٹھہر گئی اور قافلے والوں سے کہنے لگی۔

''تم جاؤ، میں تمہارے بھروسے نہیں آئی تھی، میں نے تو اللہ تعالیٰ

کے بھروسے کوچ کیا تھا۔''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا گدھے کے پاس بیٹھ کر اس طرح اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے اور رحمت کی طالب کرنے لگی۔

''پروردگار! تو نے مجھے خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے بلایا تھا۔ اب میرا گدھا مر گیا ہے اور میں تنہا جنگل میں پڑی ہوں۔''

ابھی وہ دعا پوری بھی نہ کرنے پائی تھی کہ بقول عطارؒ گدھا زندہ ہو گیا، حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے اس کی پشت پر سامان لادا اور قافلے سے ملنے کے لیے چل کھڑی ہوئی۔

ایک اور روایت ہے یہ تو بالکل افسانہ ہی معلوم ہوتا ہے اس کے راوی ابو علی فارمیدی تلمیذ ابی القاسم قشیری و استاد امام غزالی ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ریگستانوں میں سات سال تک بغرض سفر حج پیٹ کے بل چلتی رہی حتیٰ کہ کعبے تک پہنچ گئی۔

شاید راویوں نے یہ حکایات متواترہ لوگوں کو یہ بتانے کے لیے نقل کی ہیں کہ صوفیہ نے کس طرح قسم قسم کی عبادتیں جسم کو سخت تکلیفیں دے کر کی ہیں عطار صاحب تذکرۃ الاولیاء حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی کرامت کے بارے میں ایک یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ خانہ کعبہ جس کے ارد گرد لوگ حج کے مراسم ادا کرتے ہیں خود حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی زیارت کے لیے گیا تھا، ہم اس روایت کی تردید نہیں کرتے شاید تعبیر غلط کی گئی ہے اسی طرح حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی طرف بہت سے ایسے اقوال منسوب کیے گئے ہیں جو ظاہری طور پر کفر و شرک

سے قریب ہیں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے پہلے اور بعد کے علماء
نے اس قسم کے اقوال کو ظاہری معنی ہی پر محمول کر کے ان کے کہنے والوں کو
سخت سزائیں دلوائی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا
کے دماغ میں حج کا تصور مادی مقاصد سے بالاتر تھا یعنی سرف ذات خداوندی
کی طلب حج تو محض ایک عبادتی وسیلہ ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا
کا مقصود صرف معبود تھا اس طویل صوفیت و مجاہدہ نفس کے بعد اسے اس
وسیلے کی ضرورت بھی باقی نہ رہی تھی۔ چونکہ وہ علائق بشریہ سے پاک ہو
چکی تھی اور اسے شدید لگاؤ تھا اس لیے اسے کعبہ یا ایام حج کے وسیلے کی
ضرورت نہ رہی تھی جیسا کہ اس کے آخری اقوال سے پتہ چلتا ہے اس کا
حج ایک رمز مطلق ہستی کی جانب تھا جو زمان و مکان کی پابند نہیں کیونکہ
خدا تو ان دونوں سے آزاد ہے اس مقام پر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت رابعہ
بصری رحمتہ اللہ علیہا فکر ورائے میں ایک قسم کی جرأت رکھتی ہے جو اس
میں پہلے نہ تھی۔ شاید اجتہاد طول استغراق اور خلوت نے اسے یہاں تک
پہنچا دیا تھا۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے جو مسلک اپنے
اعتقادات کے مطابق اختیار کیا تھا وہ مجرو روحانی مجاہدات پر مبنی اور تمام
مصنوعی آلات سے مبرا تھا کیونکہ محسوسات و مصنوعات کی عبادت تو ایک
قسم کی بت پرستی ہے جو ایک خالص روحانی مسلک گوارا نہیں کر سکتا۔
تاریخ فکر عربی، خواہ وہ دینی ہو یا فلسفیانہ ایسے حوادث اور متضاد حالات
سے پر ہے جس کی بنا پر علماء و مفکرین پر بڑی دارود گیر کی جا سکتی ہے
کیونکہ ان کے بیشتر اقوال و افعال ظاہری مفہوم کے اعتبار سے غلطی پر مبنی

معلوم ہوتے ہیں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے بارے میں مشہور و متواتر قول یہ ہے کہ جب ایک دفعہ موسم حج قریب آیا تو اس نے کہا۔

''میرا مطمح نظر کعبہ نہیں بلکہ کعبے کا پروردگار ہے میں کعبے کا کیا کروں گی؟ وہ ایک بت ہے جس کی لوگ پوجا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو نہ اس میں داخل ہوا اور نہ اس سے کبھی خارج ہوا۔''

ممکن ہے اس کا یہ قول بھی باوجود تواتر کے بگڑا ہوا اور مسخ شدہ ہو کیونکہ تواتر تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں بھی پایا جاتا ہے پھر بھی بہت سی حدیثیں موضوع اور بناوٹی ہیں۔ اگر یہ قول واقعی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا ہے تو شاید اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو چاہتی ہے اور صرف ان تجلیات پر بھروسہ کرتی ہے جو قلب و نظر سے دوران عبادت میں دیکھتی ہے صوفیت اور ترک دنیا کا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے اس کے ایمان خالص اور معانی الٰہیہ کی تفکیر و تعبیر نے اس کی نظروں کو ایک روحانی اشراق تک پہنچا دیا تھا۔ اب اس کی ہمت کعبے تک محصور نہ رہی تھی۔ رہا مہبط وحی و تنزیل سو وہ زاہدوں کے لیے نمونہ ہے۔

اپنی آخری زیارات کعبہ میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا تعلق ایک ایسی ذات سے ہو گیا تھا جو کیفیت حدود و قیود سے بالاتر ہے اس لیے وہ عارف و زاہد حضرات سے اس قسم کی باتیں کرنے لگی تھی جن کا مفہوم وہی لوگ سمجھ سکتے تھے مگر جو علماؤ مفسرین اس دور کے بعد آئے وہ ان اقوال کی دور از کار تاویلیں کر کے اسے لعنت ملامت کرنے لگے۔ امام

ابن تیمیہ بھی انہیں علماء سے ہیں جنہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا پر اس کے ظاہری اقوال کی وجہ سے خواب لے دے کی ہے۔

ہم صحیح طور پر نہیں بتا سکتے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے زندگی کے آخری مرحلے میں کب اور کس وقت حج سے منہ موڑنا شروع کر دیا تھا۔ آیا وہ بڑھاپے کی وجہ سے شدائد سفر برداشت نہ کر سکتی تھی؟ یا اس کے خیالات ہی بدل گئے تھے اور وہ زہد سے تصوف کی طرف مائل ہو کر محسوسات و مادیات سے بلند ہو گئی تھی کیونکہ ملائے اعلیٰ میں انہماک، ماورائے کون میں استغراق معرفت الٰہی میں تبحر، فیض روحی اور نفحات قدسیہ نے اسے اس زمانے میں ایک پراسرار صوفی بنا دیا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اس دور میں اس پروانے کی مانند تھی جو جل جانے کا مشتاق ہو۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا پر تصوف کا اس قدر غلبہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک مدہوش کی طرح معرفت کے خزانوں کی طرف بڑھی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے یہ دنیا اوجھل ہو چکی تھی اور وہ عالم شعاعی میں کچھ ایسی صورتیں دیکھ رہی تھی جن کا احاطہ نہ تو علوم وفنون کر سکتے ہیں نہ ہمارے مادی اجسام کیونکہ وہ عالم ہماری آنکھوں اور افکار سے بالاتر ہے۔ ہم کتنا ہی اس کی طرف پرواز کرنا چاہیں لیکن ہمارے بازو کسی طرح ہمارا ساتھ نہیں دیتے۔ ہائے کتنے ایسے قیدی ہیں جو جیل خانے کی سلاخوں سے طویل راتوں اور تلخ دنوں میں ایک ایسی شعاع نور کی طلب میں رہتے ہیں جو انہیں حریت و آزادی کی نعمت سے سرفراز فرما دے اور ان کی آرزوؤں کو پورا کر دے۔

اسی طرح اصحاب فکر، جو حقائق وجود کی تلاش میں ماورائے عالم مادی میں تیرتے پھرتے ہیں، یا لذت سعی و استغراق پر قانع ہو جاتے ہیں یا ھل من مزید پکارتے رہتے ہیں۔

زُہد سے صوفیت کی طرف

مجھے اجتماعی و ادبی بحث وتمحیص میں یہ بات بہت زیادہ پسند ہے کہ میں رفتارفکر و اصحاب فکر کا مطالعہ کروں۔ پرواز و انقلاب دہر کا ایک ہی نہج ہے جوتمام اشیاء میں جاری و ساری ہے حالانکہ انہیں شعور بھی نہیں ہوتا۔ یہ قانون فطرت اس قدر تیزی سے چلتا ہے کہ دیکھنے والوں کو پتا بھی نہیں چلتا جیسے ایک پھول پھولتا رہتا ہے مگر ہم نہ تو اپنی ان آنکھوں سے نہ کسی سائنٹیفک ذریعے سے اس کی رفتار نمو کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔ کتنے ہی ایسے درخت ہیں جو ہم باغ میں ہاتھوں سے لگاتے ہیں اس وقت وہ ایک پتلی سی شاخ ہوتی ہے۔ چند روز میں ایک تناور درخت بن جاتا ہے۔ مگر ہمیں اس کے آہستہ آہستہ بڑھنے کا علم بھی نہیں ہوتا۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جسے ہم نے ایک چھوٹی سی بیل، پھر ایک تر شاخ کی مانند دیکھا تھا، چند سال گزرنے پر ایک تناور سایہ دار

اور میوہ دار درخت بن گئی اس کے سائے میں وہ لوگ آرام کرتے تھے جو دنیا کی باوسموم کے مارے ہوئے تھے مگر اس کا پھل عارفوں کے سوا کسی نے نہ چکھا کیونکہ معرفت کے اس درجے تک تو اہل تجلی و بصیرت ہی پہنچ سکتے ہیں۔ یہ حسی و معنوی انقلاب جو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے زہد و عبادت کے ساتھ ساتھ چلتا رہا ایک شعلہ عشق معرفت باطن انجذاب ماورا اور تجرد کی صورت اختیار کر گیا تھا اب اس کی شب بیداری دوسرے شب بیداروں کی طرح نہ تھی اب وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت کی طمع یا دوزخ کے خوف سے نہ کرتی تھی۔ وہ رات دن گریہ وزاری کرتی رہتی مگر حساب قیامت کے ڈر کی وجہ سے نہیں جیسا کہ دوسرے لوگ حساب حشر سے ڈر کر روتے گڑگڑاتے ہیں بلکہ اب اس کی زندگی ایک نئے موڑ کی طرف مڑ گئی تھی یعنی اس کا مقصود صرف ایک ذات باری تھی جو اہل نظر و کرامت کا مطمح نظر ہوتی ہے۔

علیین کا مرتبہ ہماری موجودہ یونیورسٹیوں کے درجات علمیہ جیسا ہے یہ سب سے بلند علمی مرتبہ وہ ہے جہاں عالم حقیقت سے کچھ قریب ہو جاتا ہے اور اب حقیقت اس کے لیے ایک غنیمت باردہ بن جاتی ہے جس تک وہ طویل مجاہدات کے بعد پہنچتا ہے۔

تصوف بھی وہ بلند مرتبہ ہے جہاں تک حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا، بصیرت، مجاہدے اور عرفان کے بعد پہنچی۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ تصوف کیا تھا جسے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے ترجیح دی اور طویل مراقبات و مجاہدات کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوئی حتیٰ کہ اس نے اس

پر قناعت کر لی اور اسے ایمان بنا لیا۔

اگر ہم تصوف کے معانی و تعریفات لغوی و اشتقاقی کے درپے ہوں تو ہمیں چند متضاد یا متقارب بیانات و وجود سے سابقہ پڑتا ہے ان سب کا خلاصہ ہم دو نظریوں کے تحت پیش کر سکتے ہیں۔

1- بعض عابد و زاہد حضرات نے اپنے آپ کو مصوف کہلایا یا قوم نے انہیں یہ لقب دیا کیونکہ وہ لوگ خشونت و تقشّف کی بنا پر صوف کا لباس پہنا کرتے تھے تا کہ لباس فاخرہ پہننے والوں سے اپنے آپ کو ممتاز کر سکیں۔ رائے ابن خلدون کی ہے اس قسم کے لباسوں کی تاریخ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ راہب اور پرانے زمانے کے عبادت گزار اس قسم کے لباس پہنا کرتے تھے۔ اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی تھی تو وہ کالے صوف کا لباس پہنا کرتے تھے۔ چنانچہ خنسا نے اپنے فرزندوں اور بھائیوں کے قتل پر ایسا ہی کیا تھا۔

2- بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تصوف صفاء سے نکلا ہے کیونکہ اس سے صفائی بصیرت حاصل ہوتی ہے یا یہ صفہ کی جانب منسوب ہے جہاں اصحاب صفہ مسجد کے باہر بیٹھا کرتے تھے یا صف کی جانب منسوب ہے۔ کیونکہ صوفی پہلی صف میں ہوتے ہیں۔ ان کا شمار ان اولیاء اللہ میں ہوتا ہے جن کے قلوب پاکیزہ اور ہوا و ہوس سے آزاد ہو جاتے ہیں مگر اس قسم کے اشتقاق کی اجازت ہمیں لغت عرب نہیں دیتا اور نہ یہ صوفی کے لفظ پر منطبق ہوتا ہے اگرچہ ہم حروف میں تقدیم و تاخیر ہی کیوں نہ کر دیں۔

رہی تصوف کی مذہبی تعریف تو اس میں بھی اختلاف ہے مختلف لوگوں نے

اس کے مختلف اصول بیان کیے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ہر صوفی نے اپنے مسلک و مزاج کے مطابق تعریف کی ہے جس کسی نے بھی تصوف پر بحث کی یا اس سلسلے میں کوئی کتاب لکھی ہے اس نے جو کچھ لکھا ہے اصل میں اپنی رائے کے مطابق لکھا ہے تصوف کی بڑی کتابوں میں سے سب سے عجیب تعریف حافظ ابو نعیم اصفہانی (المتوفی ۴۳۰ھ) مولف حلیۃ الاولیاء طبقات الاصفیاء نے کی ہے ابو نعیم اغراض و مقاصد کے تحت مختلف تعریفیں بیان کیا کرتا تھا اور مافی الضمیر ادا کرنے کے لیے اس زمانے کی زبان و رواج کے مطابق ایسے جامع عنوان گھڑتا جن میں تجنیس و سجع ہوتا تھا چنانچہ کہتا ہے۔

''تصوف ہجر سے وصل کی طرف دوڑنے کا نام ہے۔''

ایک جگہ کہتا ہے۔

''تصوف حق کے ساتھ رہنے اور خلق کے چھوڑ دینے کا نام ہے۔''

یہی حال ابو سلیمان دارانی المتوفی ۲۱۵ھ کا ہے چنانچہ ان کا ایک قول تصوف کے بارے میں یہ ہے۔

''تصوف یہ ہے کہ صوفی پر ایسے حالات طاری ہو جائیں جو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ ہمیشہ اس طرح حق کے ساتھ رہے کہ کسی کو اس بات کا پتا تک نہ چلے۔''

اس روحانی مذہب کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں جن کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ جاتی ہے اور جن سے ہزاروں صفحات بھرے پڑے ہیں۔ ان میں سے بیشتر عبادت، مجاہدہ اور تعلق مخلوق و خالق پر گھومتی ہیں

جوں جوں فلسفے کا رواج بڑھتا گیا تصوف کے معانی و مطالب اس رنگ میں پیش کیے جانے لگے خصوصاً عصر عباسی میں علماء و حکماء نے تصوف کو فلسفے سے خوب رنگ دیا اور صوفیوں کے اعمال و اقوال کی فلسفیانہ توجیہات شروع کر کے مادرائے طبیعیات و عیبیات سے اس کے ڈانڈے ملا دیئے۔

تاریخ اسلامی کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ تصوف سے جس طرح دوسرے علوم مل گئے تھے اسی طرح فلسفہ بھی اس سے گھل مل گیا تھا حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا میں تصوف زہد سے بعد پیدا ہوا۔ ابتداً وہ دوسرے زاہدوں کی طرح عذاب کے ڈر اور ثواب کی طلب سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی تھی یہی زہد کا منتہیٰ ہے مگر جب وہ صوفی بن گئی اور عبادت میں پیشتر سے زیادہ منہمک ہوگئی تو اس کی روح دنیوی کدورتوں سے صاف ہوگئی اور ذہن آخرت کی ہولناکیوں سے پاک ہوگیا۔ اس خالص عبادت نے جس تک حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اور اسرار کون میں غور و فکر کرنے سے پہنچی اسے ایک مجرد روحانی عالم غیب و ملکوت میں پہنچا دیا۔ وہ وجود میں مزید غور و فکر کرتی رہی اور تعبیریں خالص صوفیانہ رموز بن گئیں نہ صرف لفظاً بلکہ معنا اور حقیقتاً بھی۔

ابھی تصوف ابتدائی دور مین تھا کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے اسے اختیار کر لیا نتیجہ یہ کہ اس کا شمار اولین صوفیہ میں ہونے لگا۔ چونکہ وہ تصرف میں سچی تھی۔ اس لیے اولیائے کاملین میں شامل ہوگئی جو

بصیرت کے ذریعے سے حقائق تک پہنچے۔ اہل تصوف کے ہاں حقائق کے بہت سے درجات ہیں جن میں سب سے بلند تجلی و کرامات کا دیباچہ ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے سوانح حیات جو لکھنے والوں نے نفسیات و فلسفہ کی روشنی میں نہیں لکھے، گو متضاد اور بکھرے ہوئے ہیں پھر بھی ہمیں بتاتے ہیں کہ اس نے تاریخی طور پر زہد سے تصوف کی طرف قدم بڑھایا مخلص عابدوں کے گروہ کی تدریجی ترقی کی فطری صورت یہی ہوتی ہے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا افتادِ طبع کے مطابق کسی علمی و فکری شعور کے بغیر اس جدید طریق عبادت یعنی تصوف کی طرف مائل ہوتی چلی گئی۔ غالب گمان یہ ہے کہ وہ صوفیت کی طرف اس وقت مائل ہوئی جب وہ بصرہ کے حلقات ذکر و فکر میں جو اجتماع طور پر قائم کیے جاتے تھے۔ حصہ لینے لگی۔ یہ لوگ تسبیح و تہلیل اور تہجد و عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ قرآن پاک، دعائیں اور مختلف قسم کے اشعار بلند آواز سے مخصوص صوفیانہ رنگ میں پڑھا کرتے تھے جن سے عشق الٰہی پیدا ہوتا تھا۔ کوئی بعید نہیں اگر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ان قوالیوں میں شریک ہونے کے دور میں پکی عمر کو پہنچ چکی ہو۔ وجد و قوالی کی یہ محفلیں آج تک قائم ہوتی چلی آئی ہیں۔ اہل طریقت درویشوں کی مجلسیں اب تک مصر و دمشق اور بلاد اسلامیہ میں اسی طرح قائم ہوتی ہیں۔ صوفی مرد و زن اب تک گا گا کر بانسری اور طبل و دف پر میلاد و عید وغیرہ کے موقع پر حلقے قائم کرتے ہیں۔

اس لیے تصوف حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا میں اس کی طبیعت

و مزادلت سے آیا یہ تحصیل تقلید یا تکلیف اور بناوٹ سے نہیں اس کی
پیدائش و تربیت دینداری کے ماحول میں ہوئی اور غیر شعوری طور پر
اسباب تصوف اس میں پیدا ہو گئے اس زمانے کی اجتماعی و دینی زندگی،
جو شہر میں رائج تھی اس طرف مائل کرتی رہی اس لیے وہ ایک پرہیز گار
زاہد، فقیر، صابر تائب راضی برضا و متوکل علی اللہ عورت بن گئی۔ یہ تصوف
بچپن اور لڑکپن کے زمانے سے ظاہر ہوا حالانکہ وہ عارفین صوفیہ اور اہل
مقامات کی اصطلاح سے آشنا نہ تھی۔ وہ خودبخود اس چشمے کی طرف کھنچی
چلی جا رہی تھی جس سے روح کو سکون ملتا تھا اور سیرابی حاصل ہوتی تھی
جس طرح ایک گم کردہ راہ ریگستانوں کے اندر پانی کے چشمے کی تلاش میں
پیاس کی شدت سے مارا مارا پھرتا ہے تو اسے افق میں باغیچے، سائے اور
جاری چشمے نظر آنے لگتے ہیں حالانکہ یہ سب سراب ہوتے ہیں۔
ریگستانوں میں بھٹکتے ہوئے مسافر ان کی طرف دوڑتے ہیں اور اکثر اسی
جستجو میں پیاسے جان بحق ہو جاتے ہیں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ
یہ گم کردہ راہ ان تپتے ہوئے صحراؤں میں کسی ٹیلے کے قریب کوئی ٹھنڈا
چشمہ پا لیتے ہیں تو وہ اس کی طرف بے تحاشا دوڑتے ہیں حالانکہ وہ
موت و حیات کے درمیان ہوتے ہیں۔

اسی طرح حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جسے شدت شوق الہٰی
نے بھون ڈالا تھا، بشریت زندگی اور اسباب حیات سے منہ موڑ کر اور
زاہدوں کی جماعت سے نکل کر صرف ذات باری تعالیٰ اور رضائے الہٰی
کی جو یاد بن گئی۔ نہ اجر و ثواب کے لالچ میں نہ زنار و خوف کے عذاب

ہے۔ اب حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا شب زند دار عابدوں سے بالکل جدا ہو چکی تھی جو آخرت کے خوف سے زہد اختیار کرتے ہیں۔ وہ گم کردہ حقیقت کی تلاش میں عالم بالا تک پہنچ گئی جہاں نہ شبہات کا گزر ہے نہ فنا طاری ہوتی ہے جب اس نے اپنے آپ کو پالیا تو وہ اس کبوتر کی مانند ہو گئی جس کی تصویر ابن سینا نے کھینچی ہے۔ جو اس کے بہت عرصے بعد گزرا ہے۔ اب اسے پتا چلا کہ وہ اصل میں ایک پست مقام کی طرف اتری ہے۔

بلاشبہ ایک زبردست روحانی طاقت نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو شدت عشق تک پہنچا دیا تھا جب وہ طویل مجاہدات کے بعد عالم انوار تک پہنچی تو حیران رہ گئی کہ اس نے اپنی ذات سے باہر کچھ نہیں دیکھا بلکہ خود اپنی ہی ذات کو پایا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

"اپنے نفوس میں غور کرو، کیا تم دیکھتے نہیں۔"

سقراط یونانی حکیم کہتا ہے۔ "اپنے نفس کو پہچان۔"

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے اپنے نفس کو دیکھا تو اس پر پوشیدہ اسرار ظاہر ہو گئے اور ایسے انوار دکھائی دینے لگے جو ظاہری نگاہوں سے دکھائی نہیں دیتے بلکہ صرف ان لوگوں کو نظر آتے ہیں جن کی نگاہیں اللہ تعالیٰ نے کھول دی ہیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی چند مخصوص دعائیں ہیں جن سے ذوق و شوق ٹپکتا ہے۔ کتنی ہی بار اس نے دل کی گہرائیوں سے یہ الفاظ کہے۔

"پروردگار! اگر میں تیری عبادت آگ کے ڈر سے کروں تو مجھے جہنم میں جھونک دے اور اگر جنت کے لالچ سے کروں تو مجھے جنت سے محروم کر دے۔ ہاں اگر میں تیری عبادت صرف تیرے ہی لیے کروں تو اے خدا مجھے اپنی ذات کریم سے محروم نہ کرنا۔"

یہ دعا ایک ایسے حیران و پریشان دل کی ہے جو ہمیشہ قلق و اضطراب میں رہتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو کسی مطیع یا عاصی کے پہچاننے کا محتاج نہیں۔ اس کے علم ازلی میں تو ہر چیز وہی ضعیف مخلوق رہی جو اطمینان و سکون کی جویا رہتی ہے میں اسے مبادلہ و معاوضہ سے تعبیر نہیں کرتا کیونکہ پرخلوص صوفیت کے بارے میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اس سے برتر ہے۔ اس نے صدق خلوص، معرفت اور معرجت کی راہ حق اختیار کی۔ وہ اب عبادت صرف عبادت ہی کی غرض سے کرتی تھی جیسے آج کل کے لوگ کہتے ہیں فن برائے فن مگر یہ نظریہ سراسر حماقت پر مبنی ہے کیونکہ ہر فن کی کچھ نہ کچھ ذاتی و اجتماعی خصوصیات ہوتی ہیں۔ تو وہ صرف اپنے ہی لیے کیونکر ہو سکتا ہے؟ میرا بعینہٖ یہی خیال تصوف کے بارے میں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت بہترین وجود، اطمینان قلب، شکر نعمت، تسکین دل دردمند اور ندامت کفر و عصیاں کے لیے ہے۔

راہ تصوف میں نفس کو ایذا دینا اور رونا پیٹنا نفسانی معاملات اور اس دنیوی نظام کو جو اللہ تعالیٰ نے چلایا ہے، معطل کر دینا ہے اور ایک قسم کا مبادلہ و تجربہ ہے۔ اس لیے عملی تصوف مطلوب ہے۔ وہ تصوف، جو نظری ہو، نسیان و وہم پر قائم ہو اور گمراہی و جہالت میں بھٹکاتا ہو، مطلوب نہیں

بن سکتا۔

اگرچہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اپنی آخری صوفیت میں عبادت برائے عبادت کے نظریئے پر قائم تھی مگر ہم اسے اس درجہ قابل ملامت نہیں سمجھتے جس قدر ان مردوں کو ملامت کے قابل سمجھتے ہیں جو اس قسم کی صوفیت اختیار کرتے ہیں۔ ان میں وہ جوان اور بوڑھے بھی شامل ہیں جنھوں نے اپنے نفوس پر انتہائی سختیاں کیں۔ دنیا اور اہل دنیا کو چھوڑ کر اور تقشّف اختیار کیا۔ اس لیے وہ سارا دن کاروبار چھوڑ کر تہجد و اعتکاف میں اور مساجد اور خانقاہوں میں گوشہ نشیں ہو کر نماز و خشوع و خصوع میں مصروف ہو گئے۔ وہ یہ بھول بیٹھے کہ اسلام نے عدل و انصاف کرنے والوں اور گھر والوں کے لیے حلال روزی کمانے والوں کو ہزاروں نکمے عابدوں پر فضیلت دی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ عزلت و تقشّف اور مداومت عبادت انہیں جنت اور آخروی آسائش سے ہم کنار کر دے گی اور جو کچھ وہ دنیا میں ترک کر چکے ہیں ان سب کا بدلہ وہاں دلا دے گی۔

ایک نکما مرد خواہ وہ کتنا ہی پرخلوص عابد کیوں نہ ہو، اس عورت کی نسبت زیادہ قابل ملامت ہے جو زہد و اعتکاف کے لیے نکمی ہو کر بیٹھ رہی ہو کیونکہ زندگی گو دونوں جنسوں سے بقائے حیات کے لیے عمل کا مطالبہ کرتی ہے یہ مطالبہ بہ نسبت عورت کے جو ہر زچگی پر اپنے آپ کو موت کے لیے پیش کرتی ہے، مرد سے زیادہ ہے گو اس کا زچگی میں مر جانا یا اس کی تکالیف برداشت کر جانا ہزاروں عبادتوں سے بہتر ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے جس مذہب دینی اور تصوف کی طرف سبقت کی اس سے یہ مقصد تھا۔ اس بارے میں جو کچھ روایات ہیں ان سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا دنیا کو چھوڑ دینا اور ایک کا ہو رہنا کوئی آخرت کے لیے نہ تھا چنانچہ اس امر کی تصدیق اس قول سے ہوتی ہے کہ جب اس سے جنت کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا۔

''گھر سے پہلے پڑوسی کو دیکھو۔''

اس جواب سے اس کا مقصود وہی ذات یکتا ہے یہی اس کی دعا تھی جس کی وہ اللہ تعالیٰ سے طلب کرتی رہتی تھی تا کہ اس کا سوال پورا ہو جائے۔

''پروردگار! جو کچھ بھلائیاں تو نے اس دنیا میں میرے لیے مقدر کر دی ہیں وہ اپنے دشمنوں کو دے دے اور جو کچھ راحتیں میرے واسطے جنت میں قسمت کی ہیں وہ اپنے دوستوں کو بخش دے کیونکہ میں تو صرف تیرے لیے مجاہدات کرتی ہوں۔''

ایک دفعہ بصرہ کا کوئی عالم اس سے ملاقات کے لیے آیا۔ وہ دنیا کی ندامت کرنے لگا حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے کہا۔

''آہ تجھے ضرور دنیا سے محبت ہے کیونکہ جس شخص کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے۔ وہ اس کا ذکر اکثر کیا کرتا ہے جو آدمی کسی قسم کے کپڑے خریدنا چاہتا ہے وہ ان کا بار بار ذکر کرتا ہے۔ اگر تو اس دنیا سے عریاں ہو چکا ہوتا تو نہ تجھے برائی کی پروا ہوتی نہ بھلائی کی۔''

یہی بات حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے اپنے ہم نشینوں حضرت امام سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ، ملک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ اور صالح بن عبدالجلیل رحمتہ اللہ علیہ سے کہی۔ یہ لوگ دنیا پر تنقید کر رہے تھے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے انہیں جھڑکتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

''جو چیز تمہارے دلوں سے زیادہ قریب ہے تم نے اسی کو دیکھا اور اسی کا ذکر کرنے لگے۔

پھر وہ حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ کی طرف جو ادب سیکھنے کی غرض سے ان کے پاس آیا کرتے تھے متوجہ ہو کر کہنے لگی۔

''تو بہترین صوفی ہوتا اگر تجھے دنیا کی محبت نہ ہوتی۔''

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔

''آپ نے کس چیز میں رغبت دیکھی؟''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے جواب دیا۔

''تو بہت باتیں کرتا ہے۔''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی مراد یہی دنیا کی باتیں ہیں جن سے کوئی فائدہ نہیں اور جو عوام الناس بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس تفلسف فکری اور تصوف روحانی میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو وہ چیز حاصل ہو گئی جسے جدید علماء روشنی سے تعبیر کرتے ہیں مگر اس مرحلے پر بھی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے قناعت کی کیونکہ قلق و اضطراب اسے پریشان رکھتے تھے اس لیے ماورائے وجود کے بارے میں اس کی

تشنگی بڑھتی ہی چلی گئی۔ وہ صفات و اسمائے الٰہی میں اس امید پر غور و فکر کرتی رہی کہ انہیں میں فنا ہو جائے جب اس نے باطنی فہم اور ایمان قلب سے تمام دلائل توحید کا مطالعہ کر لیا تو اس کے دل میں وہ نور الٰہی پھوٹ پڑا جو خال خال پرہیزگار نیک بندوں کے قلوب میں چمکنے لگتا ہے۔

جب حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اس حد تک پہنچ گئی جو صوفیت سے بھی پرے ہے جسے آج کل کے علمائے عرب، متشرقین وغیرہ تھیوسوفی یعنی معرفت قلبی سے تعبیر کرتے ہیں تو اسے سکون قلب میسر آ گیا۔ اسے دوام و خلود کی بو آنے لگی۔ اب وہ ابدیت کی حدود تک پہنچ چکی تھی اور اس کے روح نفس دونوں صاف و شفاف ہو چکے تھے۔ وہ اپنی اس نئی دنیا سے ایک باطنی برزخ کی طرف منتقل ہو گئی تھی۔ یہاں اس نے اللہ، تجرِد مطلق، صفاتِ قائمہ اور صفات غیر قائمہ کو پہچانا، تصوف و فلسفہ اسلامیہ میں اس کے متعلق بڑی لمبی چوڑی بحثیں ہیں۔ کچھ صفاتی ہیں تو کچھ معتزلہ جہاں تک علماء، استنباط و تمحیص اور تھکا دینے والے مباحثوں کے بعد پہنچے کہ موصوف بے صفت پایا جا سکتا ہے جس طرح مطلق مادہ بغیر صورت کے ہوتا ہے اسے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے وسیع قلب، تیز نظر اور غور و فکر سے پا لیا۔ معرفت کے ان بازوؤں نے جو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو لے کر دوام استغراق و تامل کی طرف اڑے تھے، اب اسے ایک ایسے خوشنما باغ میں اتار دیا جہاں فردوس کی بلبلیں شاخوں پر چہچہاتی ہوئی ایک ایسی ذات فیاض کے نغمے الاپتی ہیں جس کی ضیا باریاں دائم رہتی ہیں۔

عشق الٰہی

جہاں تک ہم جانتے ہیں دنیا میں سوزِ عشق سے پگھل جانے والے، عرب میں لیلیٰ قیس، لیلیٰ توبہ اور مغرب میں جولیٹ رومیو کی مانند کوئی نہیں گزرا۔

یہ عورتیں، جو عشق کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ عشق بشری نے انہیں شوق حرماں کی آگ سے پھونک دیا تھا۔ اس لیے ان کے قصے عجائبات روزگار بن گئے کیونکہ انہوں نے بڑی تکلیفیں غم اور صدمات اٹھائے اور اپنے محبوب انسان کے لیے جس تک پہنچنا انہیں دشوار ہو گیا تھا اور امیدیں منقطع ہو چکی تھیں، بڑی قربانیاں دیں۔ انہوں نے آنسوؤں اور امیدوں سے بھری آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں تو صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرے اور ان کا غم عشق و بدبختی کم کر دے۔ تاریخ عشق میں ان جیسی عشق رکھنے والی اور بھی بے شمار ہستیاں ملیں گی۔ ان عورتوں میں بعض پاکدامن ہیں اور بعض گری پڑی اور تر دامن جو طوفانی مخلوق

سے عشق کرتی تھیں اور زندگی و عشق کو دنیا کی نعمتوں اور اسباب سرور سے سمجھتی تھیں۔

رہی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا تو اس کا عشق ایک بلند طرز کا تھا جو نفسانیت سے پاک اور انسانیت کے اعلیٰ مراتب پر تھا حتیٰ کہ وہ اس آسمانی محبت میں گھلنے اور پگھلنے لگی۔ اسلام میں اس قسم کی سب سے پہلی شخصیت حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ہی تھی۔

جب وہ تصوف میں منہمک ہو گئی، اسے الہام و عرفان حاصل ہو گیا، اس کا ایمان امیدوں کے غبار سے صاف ہو کر چمکنے لگا اور وہ بے نظیر طور پر صرف وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے لگی تو اس نے اجازت چاہتے ہوئے امیدیں لیے بارگاہ اعلیٰ کے دروازے پر دستک دی جس طرح قصہ معراج کے بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ کی طرف ایک بلند روح بشریت کا ارتقاء تھا اسی طرح میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے بارے میں تصور کر سکتے ہیں کہ وہ ذات الٰہی اور ماورائے محسوسات و غیوب کی تلاش کرتی رہی حتیٰ کہ اس کے پہلو میں ایک بے لوث پاکیزہ محبت قرار پکڑ گئی۔ اب اس کی روح کا بوجھ کم ہو گیا تھا اور وہ اس قابل ہو گئی تھی کہ پرواز کر سکے جس طرح غبارہ فضا میں اڑتا چلا جاتا ہے۔

علم النفس جس سے قدماء آشنا نہ تھے، خواہ کتنا ہی ترقی کر جائے۔ پھر بھی جذبات نفسانی و مذاہب روحانی کی تاویل نہیں کر سکتا۔ علم النفس وہاں حیران رہ جاتا ہے جہاں وہ عشق و محبت سے بحث کرتا ہے کیونکہ اس

کی بنیاد تو صرف ظن و تخمین پر ہوتی ہے اسی لیے اس کی تحلیل و تعلیل بسا اوقات ناکام رہ جاتی ہے۔ جس طرح انسانی چہرے ایک دوسرے سے جدا ہیں اسی طرح نفوس انسانی بھی طاقت، مزاج، نور اور محبت میں جدا ہیں۔ عموماً عشق کسی سابقہ ارادے کے بغیر ہو جاتا ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ کوشش کرتے ہیں وہ بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ عشق آنکھوں کے ذریعے سے دل تک پہنچتا ہے۔ الآیا کہ کوئی اندھا انسان مبتلائے محبت ہو جائے تو وہاں بجائے نظر کے اس کے کان عشق کا ذریعہ بن جاتے ہیں مگر ساکنانِ ارضی میں آج تک کوئی ایسا نہیں گزرا جس نے عشق کیا ہو اور معشوق کو بغیر دیکھے مر گیا ہو۔ یہ صرف حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ہی تھی کہ اس نے اپنے آقا سے عشق کیا اور اسے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ آقا نہیں جس نے اسے خریدا تھا پھر آزاد کر دیا تھا، نہ وہ جس نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور دل زخمی کر دیا تھا اس کے بعد گہری صوفیت اور طویل عبادت سے اس کے دل میں ایک ایسی محبت پیدا ہو گئی جس کے مشابہ کوئی محبت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اپنے محبوب کو کبھی نہیں دیکھ سکتی۔ البتہ صرف اس کی کائنات میں اس کی تجلیات دیکھتی تھی۔ وحدت وجود کی پرنبا اسے ہر چیز میں اسی کا جلوہ نظر آنے لگا اور اس طرح اس کے لیے راہ کشادہ ہو گئی۔

یہ چند کلمات، جو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی طرف منسوب ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کس درجہ ذات واحد سے محبت رکھتی تھی۔ وہ محبت جو اس کے ایمان و وجدان سے چھوٹی تھی۔ چنانچہ ایک دن وہ

اپنے محبوب سے گڑگڑا کر مناجات کرنے لگی۔
معبود! میں جب کبھی کسی حیوان کی آواز، پتے کے کھڑکنے کی آہٹ، پانی کے گرنے کی صدا اور بجلی کی کڑک سنتی ہوں یا کسی پرندے کے نغمات میرے کانوں میں پڑتے ہیں، دراز سایہ دیکھتی ہوں یا ہوا کی سرسراہٹ محسوس کرتی ہوں تو ان سب کو تیری یکتائی پر گواہ اور تیرے بے نظیر ہونے پر شاہد پاتی ہوں۔
ایک اور کلام میں ایسے الفاظ ہیں جن سے جلن، تڑپ اور شوق ٹپکتا ہے اور ایسے کلمات ہیں جو ایسے دل سے نکلتے ہیں۔ جس کا ... فی اللہ اور رضائے الٰہی کی تلاش کے سوا کوئی مقصود نہیں ہو سکتا۔ ایک بار اس سے دریافت کیا گیا۔
''حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا تو شیطان سے محبت کرتی ہے یا نفرت؟''
اس نے جواب دیا۔
''محبت الٰہی نے میرے لیے اس امر کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ میں شیطان سے کراہت کروں۔''
لوگوں نے چاہا کہ کسی طرح اسے زچ کر دیں تو پوچھنے لگے ''کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے محبت کرتی ہے؟''
کہنے لگی۔
''واللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتی لیکن خالق کی محبت نے مجھے مخلوق کی محبت سے غافل کر دیا ہے۔''

اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ کرتی تھی بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ حب الٰہی نے کسی دوسرے کی محبت کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی مگر مناوی طبقات الاولیاء میں لکھتا ہے:

''حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا دن رات میں ہزار رکعت نماز پڑھتی۔ لوگوں نے اس سے پوچھا اس سے تیرا کیا مقصد ہے؟''
کہنے لگی۔

''میرا مقصود ثواب حاصل کرنا نہیں۔ میں تو صرف قیامت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے ایسا کرتی ہوں تاکہ وہ دوسرے نبیوں سے کہہ سکیں کہ میری امت کی اس عورت کی طرف دیکھو اس کا عمل کیسا ہے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طالب تھی اور یہ آرزو رکھتی تھی کہ اس کی بنا پر عورت معظم و مکرم کہلائے اس لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتی تھی اور ان سے روز جزاء میں ملنے کی خواہشمند تھی۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جب کبھی عبادت کے دوران میں پروردگار سے مناجات کرتی تو نہایت زور سے گریہ وزاری کرتے ہوئے عبادت کرنے کا سبب اس طرح بیان کرتی۔

''پروردگار! تیری عزت کی قسم میں جنت کے لیے عبادت نہیں کرتی بلکہ محبت کی بنا پر ایسا کرتی ہوں۔ میں نے کوئی جنت کے لیے یوں عمر

تھوڑا ہی گزاری ہے۔"

"پروردگار! کیا تو اس دل کو، جو تجھ سے محبت کرتا ہے، اس زبان کو، جو تجھے یاد کرتی ہے اور اس بندے کو جو تجھ سے ڈرتا ہے، آگ میں جھونک دے گا؟"

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا عبادت کے معاملے میں جنت و جہنم سے آزاد و مجرد ہو چکی تھی مگر آتش دوزخ کا پوشیدہ خوف پھر بھی گاہے گاہے لوٹ آتا تھا کیونکہ انسان خواہ کتنا ہی بدل جائے سنی اور دیکھی ہوئی باتوں سے بالکل آزاد نہیں ہو سکتا بلکہ کسی چیز کے دیکھ لینے سے دل میں پچھلی باتیں عود آتی ہیں اس لیے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جب کبھی آگ کو دیکھتی تو اس کا دل دھڑکنے لگتا اور آنسوؤں سے اس کے شعلے بجھانے لگتی مگر پچھلا سا خوف حسب عادت اسے نہ رہا تھا۔ جب وہ پانی کو دیکھتی تو اس کا نفس تازگی محسوس کرتا اور عافیت کی ٹھنڈک دل میں محسوس کرنے لگتی۔ ان دو ازلی عنصروں یعنی آگ اور پانی نے اس کے دل میں ایک ایسی عجیب ہل چل مچا رکھی تھی جو نہ جادو سے پیدا ہوسکتا ہے نہ جنون سے بلکہ اس کی بنیاد ایسی موسیقی پر تھی جو کان نہیں سن سکتے جو تاریکیوں کو انوار سے بدل دیتی ہے اور ٹوٹے دلوں کو جوڑ کر ان میں امید و صبر کی دولت بھر سکتی ہے یہ رمز حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے خود ابدیت کی کھیتی میں بوئی تھی تاکہ وہ اس کی روح کو ہمارے عالم سے ایک بلند دنیا کی طرف لے جائے۔ ایک دن لوگوں نے اسے ایک ہاتھ میں پانی اور ایک ہاتھ میں

آگ لیے بھاگتے دوڑتے دیکھا تو دریافت کیا۔

''حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ کہاں؟''

وہ بولی۔

''آسمان کی طرف تاکہ جنت کو آگ لگا دوں اور جہنم کو ٹھنڈا کر دوں لوگ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کریں اور کسی مادی سبب یا معنوی لالچ کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھ سکیں۔''

اس کا یہ فعل جس کے ذریعے سے اس نے جہنم کی تمثیل پیش کی ہے۔ اصل میں ثواب و عذاب کے نظریئے کی طرف اشارہ ہے۔ وہ نفع و ضرر دونوں کو اٹھا دینا چاہتی تھی۔ تاکہ آزاد عبادت کا رواج ہو سکے جو مزدوری نہ ہو مگر اس طرح کے دینی مطالب دنیا میں کس طرح جاری ہو سکتے ہیں جو خیال و طاقت بشری سے بالاتر ہوں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے احکام و آرا ہمیشہ اس کے اپنے نفس کے مطابق ہوتے ہیں۔ جو غلامی میں مبتلا رہ چکا تھا اس لیے وہ ہمیشہ مطلق آزادی کی خواہاں رہتی ہے حتیٰ کہ عبادت الٰہی کو بھی بالکل آزاد دیکھنا چاہتی ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے تصوف میں عشق الٰہی کی بدعت جاری کی اور عبادت اور دین کے بارے میں خلوص برتا حتیٰ کہ صفائے روح اور الہام و بصیرت میں ایک نمونہ بن گئی۔ وہ ایک قدسیہ بن گئی جس کی عبادت نہایت مقدس اور نیت انتہائی پرخلوص تھی۔ وہ ایک ہاتھ میں درخت کی شاخ بطور عصا لیے پیوندوں والی سفید چادر کندھوں پر ڈالے چلی جا رہی ہے پاؤں میں چپل ہیں جن سے اس کی انگلیاں

باہر کو نکلی ہوئی ہیں لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ سیدھی راہ نہیں چل رہی
مگر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا دل ایمان سے پر اور سینہ رشد و
ہدایت وجود سے بھرپور ہے گو وہ ابداع خلق کے سر اولین کی طرف سے
پیاسی ہی رہی اس وہ جذبہ شوق کو ماجات و تامل سے تیز کرتی رہی حتیٰ کہ
راویوں کے بیان کے مطابق اسے کچھ شفاف صورتیں نظر آنے اور پوشیدہ
آوازیں سنائی دینے لگیں جیسا کہ جان ڈارک کے بارے میں بیان کیا
جاتا ہے جو آگ کے شعلوں کی نذر ہو گیا تھا۔

خود حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا بھی اس آگ سے نہ بچ سکی
جس سے وہ ڈر کر بھاگی تھی اور چاہتی تھی کہ اسے نہ لگے کیونکہ اس کے
روشن شعلے اس کا پیچھا کرتے تھے اور اسے دکھائی دیتے تھے اس لیے
دوڑی کہ کہیں اس کا خطا کار دل، جو حب الٰہی سے بھرپور ہے اس آگ
میں پگھل نہ جائے اس محبت نے اسے زار و نزار کر دیا اور اس کے دل کو
رقیق بنا دیا تھا۔ اگر کہیں وہ ہمارے زمانے میں ہوتی تو جن معانی کی
اسے تلاش تھی اور انہیں زیادہ لطیف پیرائے میں پاتی کیونکہ ہم جانتے اور
سنتے ہیں کہ مخترعات جدیدہ نے دنیا کا رنگ پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ ایٹمی
طاقت جو زمانہ حال کے علماء نے دریافت کی ہے اور وہ عقدہ جو اغریقی
علماء نہ کھول سکتے تھے کھول دیا ہے ممکن ہے کہ اس کا حیرت انگیز علم کچھ
حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو حاصل ہو مگر یہ اس قسم کا علم نہ ہو جو
ریاضت اور برقی طاقت کے متعلق آج کل کے لوگوں کو ہے بلکہ صرف یہ
کہ معرفت الٰہی و روحانی ریاضات میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا

کے نفس کا ذرہ پھٹ کر ایک جوہر مصفا کی صورت میں تبدیل ہو گیا ہو۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی محبت اس محبت کے مشابہ نہ تھی جس سے اہل غریق آشنا تھے یا جس کا افلاطون ذکر کرتا ہے، نہ وہ محبت جو راہبوں اور جاہل دور کے عابدوں میں معروف تھی بلکہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی محبت تو آپ ہی اپنا نمونہ اور آپ ہی اپنی نظیر تھی جو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے اپنی روحانی زندگی میں اختراع کی تھی یہ محبت اسلامی مذاہب میں داخل ہو گئی تاکہ محبت کا ایک ایسا پاکیزہ نقشہ پیش کی جا سکے جو اجسام میں نہیں اترتی۔ مجھے اکثر اور فہ کے خرانی قصہ کا خیال آتا ہے جس نے جہنم کے دروازے پر کھڑے ہو کر ستار پر گانا شروع کیا تھا تو مبتلائے عذاب جہنم کی سوزش بھول گئے تھے میں تہ بر تہ نیرنگیوں کے باوجود حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی خیالی تصویر دیکھ رہا ہوں مگر چکیلی لاٹھی پرانی چمکیلی چادر اور ٹوٹے جوتوں کے ساتھ نہیں بلکہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی شبیہ جنت کی طرف نور کا لبادہ اوڑھے ہاتھ میں بانسری لیے یہ نغمات گاتی جا رہی ہے۔

اُحِبُکَ حُبَیْنَ حُبَّ الْھَوٰیٰ   رَحُبًّا لِاَنَّکَ اَھْلُ لِذَاکَا

میں تجھ سے دو طرح کی محبت کرتی ہوں ایک محبت بر بنائے محبت اور دوسری ایسی محبت جس کا تو مستحق ہے۔

فَاما الَّذِی ھُوَ حُبُ الْھَوٰیٰ فَنُسْخُلِیٰ بِذِکْرِکَ عَمَنْ سِوَاکَا۔

رہی محبت بر بنائے محبت تو وہ یہ ہے کہ تجھے یاد کرتی ہوں اور

تیرے ماسوا کو بھول جاؤں۔

وَاَمَا الَّذِیْ اَنْتَ اَهْلٌ لَهٗ فَکَشْفُکَ لِیَ الْحُجُبَ حَتّٰی اَرَاکَا

اور وہ محبت جس کا تو مستحق ہے تو یہ جبھی ہی کامل ہو سکتی ہے کہ تو پردا اٹھا دے اور میں تجھے دیکھ لوں۔

فَلَا الْحَمْدُ فِیْ ذَا وَلَا ذَاکَ لِیْ

وَلٰکِنْ لَکَ الْحَمْدُ فِیْ ذَا وَذَا

ان دونوں محبتوں کے لیے میں مستحق تعریف نہیں۔ قابل حمد تو ہی ہے تو کہ تو نے مجھے دونوں محبتوں سے سرفراز فرمایا۔

بعض صوفیہ نے ان مشہور ابیات کی توضیح کرتے ہوئے ایسی شرح پیش کی ہے جو اس روحانی وجدان کے مطابق ہے۔ اس مرکب محبت کی تشریح میں جس کا ذکر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کرتی ہے صوفیہ کے اقوال قریب قریب ہیں۔ اول نظر میں تو صوفیہ کو اس بات پر تعجب ہوا کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اپنے پروردگار سے عشق کرتی ہے۔ وہ اس عشق کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہوئے تو بالا اتفاق کہنے لگے کہ یہ عشق بشری عشق کے مشابہ تو نہیں ہو سکتا اس لیے انھوں نے محبت بربنائے کی تفسیر اس طرح کی کہ یہ وہ محبت ہے جو ایک صوفی کو بے حد عبادت کرنے سے ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ پروردگار کا مشتاق ہو جاتا ہے۔ ابو طالب مکی اس کے بارے میں اپنی کتاب قوت القلوب میں لکھتا ہے:

''حُبّ الھویٰ اور حُبّ استحقاق ذرا قابل تفصیل ہیں تاکہ ناواقف پر بخوبی واضح ہو جائے ارباب عقل تو جو اس قسم کا ذوق نہیں رکھتے اس کے

وجود سے انکار ہی کرتے ہیں لیکن ہم اس کی حقیقت مجملاً بیان کیے دیتے ہیں۔ پہلی محبت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تجھے دیکھا مجھے تجھ سے عشق ہو گیا۔ یہ عشق مشاہدہ یقین کی بنا پر تھا۔ کسی خبر تصدیق یا نعمتوں کے احساس کی بنا پر نہ تھا کہ میری محبت نعمتوں کے بدل جانے سے بدل جائے۔ میری محبت تو بطریق مشاہدہ ہے اس میں تجھ سے قریب ہوئی تیری طرف دوڑی اور دوسروں کو چھوڑ کر تیری ذات میں منہمک ہو گئی۔"

رہی محبت کی دوسری قسم اس کے بارے میں مکی قوت القلوب میں لکھتا ہے۔ "یہ ذات پر جلال سے محبت اجلال ہے یہ کسی نعمت یا منفعت حسی کی بنا پر نہیں ہوتی اور نہ کسی جزاء کی طلب گار ہوتی ہے۔"

محبت کی ان دونوں قسموں کی تشریح کرنے والوں کا اس امر پر تقریباً اتفاق ہے کہ حب ہویٰ، اللہ تعالیٰ کی محبت احسان انعام و افضال کی بنا پر ہے اور جب استحقاق صرف اس لیے ہے کہ وہ اس کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو توفیق دی کہ وہ اس کی ذات کا نظارہ کر سکے جیسا کہ اولاً اس نے اسے جلوہ دکھایا تھا اس لیے قابل حمد وہی ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اگرچہ ان دونوں محبتوں تک پہنچ گئی لیکن وہ کسی طرح نہ اس محبت کے بارے میں قابل ستائش ہے نہ اس محبت کے بارے میں قابل حمد ہی ہے کہ اس نے اسے یہاں تک پہنچا دیا۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اس پر حاشیہ چڑھاتے ہوئے اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھتے ہیں۔ "حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے

جب ہویٰ سے مراد وہ محبت لی ہے جو اس کے انعامات و احسانات کی وجہ سے ہے اور جب استحقاق سے مراد حب جمال و جلال ہے جس کا انکشاف بعد میں ہوا اور جو دونوں قسموں میں اعلیٰ ہے۔''

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر علماء کی نظر میں دونوں محنتوں میں سے اعلیٰ اور گراں قدر محبت دائمی شوق اور اعتراف فضل کی تلقین کرتی اور دنیا سے غافل بناتی ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے اپنے آپ کو اس کے قابل نہ پایا بلکہ اس کا خیال ہے کہ خواہ وہ اس راہ میں کتنی ہی کوشش کرے روز جزا میں کسی جزا کی مستحق نہیں بلکہ وہ ڈرتی ہے کہ اس سلسلے میں اس سے تفریط و کوتاہی نہ ہو جائے اس لیے وہ دن رات عبادت و صلوۃ میں ایک ایسے دل سے مشغول رہتی جس سے معرفت و نور کے چشمے ابلتے تھے کیونکہ وہ یکتا ذات ہے اس بارے میں اس کی رہبر و ہادی بنی ہے اور اس کے فیض سے اس کی زبان پر ایسی محبت کا ذکر جاری ہوا جو ہر قید سے آزاد ہے جس کے لیے وہ ہمیشہ ہل من مزید پکارتی رہتی ہے اور ہمیشہ اس کی قیود سے پاک ذات کی مشتاق دیدار رہتی ہے۔

وہ معانی جن کا ذکر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے ان اشعار میں کیا ہے، گو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے بعد آنے والے مفسرین نے اس کی تشریح و توضیح قریب قریب کی ہے لیکن وہ اس مرکب محبت کے بارے میں جو محبت کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور روح سے گھل مل جاتی ہے، ایک ظریف شاعر ابونواس کے شعر کا ذکر نہ کر سکے جس نے

اس شعور کی عجیب و غریب طرز کی توضیح رہے یہ شراب کے بارے میں ہے۔ ممکن ہے ابونواس ان صوفیانہ معانی سے آشنا ہو، کہتا ہے۔

لِـیَ نَشْـوَ تَـانِ وَلِلنَـدْمَـانِ وَاحِـدَةٌ

شَـیءٌ خَـصَـصْـتُ بِـهِ مِنْ دُوْنِهِمْ وَجُدِ

مجھے دو قسم کا سکر حاصل ہوتا ہے اور میرے ندیموں وصرف ایک ہی طرح کا ایک سکروہ ہے جو صرف مجھی سے مخصوص ہے۔

محبت وغیرہ کے ساتھ احساس کا گھل مل جانا ایک۔ عجیب مسئلہ ہے جس سے جدید علماء اور علمائے نفس ہی نے بحث کی ہے کیونکہ روحانی طاقت جب اچھلتی ہے تو بارود کی طرح پھٹ پڑتی ہے۔ یہ عجائب روزگار ہستیوں کے کارنامے جو صفحات تاریخ پر درخشاں نظر آتے ہیں۔ اصل میں اسی ثبات روح و فکر کا نتیجہ ہوتے ہیں جو بارود کے پھٹ پڑنے کے مشابہ ہوتا ہے وہ خدا پرست، جو دین عبادت اور صوفیت میں مخلص ہوتے ہیں۔ ان میں اکثر لوگوں نے بعض حالات میں اس شعوری طاقت کا کم و بیش احساس کیا ہے۔

ان دونوں میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے سکون قلب پایا اور اسے غم والم پسند آنے لگا۔ اسے ایک روحانی سکر سا رہتا تھا حتیٰ کہ تفکر و تامل کے باعث جسم و اعضاء کی تھکن یا تکلیف کا احساس نہ ہوتا تھا بلکہ بسا اوقات وہ درد و کرب سے لذت محسوس کرتی اور اس کی قطعاً پروا نہ کرتی۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک دفعہ نماز پڑھتے ہوئے بوریے کا تنکا اس کی آنکھ میں گھس گیا تو اس نے ذرا پروا نہ کی اور حسب عادت نماز

پڑھتی رہی۔ ایک بار اٹھتے ہوئے سر ایک ستون سے ٹکرا گیا یہ چوٹ سخت تھی مگر اس نے پروا نہ کی۔ حاضرین نے اس کے صبر پر تعجب کیا تو اس نے حال دریافت کرنے والوں سے اس صبر والم کے بارے میں کہا۔

''میں یہ دیکھ رہی تھی کہ جو کچھ ہوا اس کی مشیت سے ہوا اس لیے جو کچھ تم دیکھ رہے ہو مجھے احساس تک نہ ہوا۔''

اس کے بعض کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چونکہ تسبیح اور تفکیر و تامل میں منہمک تھی اس لیے اس نے کسی تکلیف کا احساس نہ کیا اور دل کو کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔

اس قصے کے مشابہ خواجہ فرید الدین عطار صاحب رحمتہ اللہ علیہ تذکرۃ الاولیاء کی روایت ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے ہم نشیں اکثر اس کے پاس آیا کرتے اور بات چیت، سوال و جواب کرتے۔ ایک دفعہ وہ صدق و عبادت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے پوچھا۔

''بتاؤ صدق کسے کہتے ہیں؟''

اس مجلس میں حضرت امام سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ، بلخی رحمتہ اللہ علیہ اور امام مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ ان میں سے کسی نے کہا بلکہ غالب گمان یہ ہے کہ ان کے بغیر کسی اور عابد و زاہد نے کہا۔

''وہ شخص سچا نہیں جو اپنے آقا کی مار پر صبر نہ کرے۔''

''حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا بولی یہ تو دھوکا ہے۔'' اس دوسرے شخص نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی پسند و خوشنودی

حاصل کرنے کی غرض سے کہا۔

"وہ شخص سچا نہیں ہو سکتا جو اپنے آقا کی مار پر شکریہ ادا نہ کرے۔"

اس جواب پر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے مذاق نہ اڑایا نہ تنگ دلی یا خفت کا اظہار کیا بلکہ حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوئی تا کہ ان کی رائے دریافت کرے اور دیکھے کہ وہ باریک مسائل کی تعبیر خوبی سے کر سکتے ہیں یا نہیں اس لیے مالک بولے۔

"وہ دعوے میں سچا نہیں جو آقا کی مار پر لذت حاصل نہ کرے۔"

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے بشاشت و رضامندی کا اظہار کیا اور کہنے لگی۔

"اے مالک ایک اور بات تم سب کی باتوں سے افضل ہے......"

وہ تمام کہنے لگے۔

"اب آپ فرمایئے اور اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔"

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا بولی۔

"وہ شخص اپنے دعوے میں سچا نہیں جو دیدار یار میں اس کی مار کو بھول نہ جائے۔" تمام ہمنشیں خاموش ہو گئے۔ سب نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے سامنے سر خم کر دیا اور اس کی رائے کے وزنی ہونے کو تسلیم کر لیا۔ شاید اس جواب سے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا اشارہ ان مصری عورتوں کی طرف تھا جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا کہ ذرا ان کی طرف جانا۔ جب ان عورتوں نے جمال یوسف دیکھا تو حیران رہ گئیں۔ مکار عاشقہ سے معذرت کی طلب گار

ہوئیں اور لذت دیدار و فتنہ جمال میں اپنے ہاتھوں کی تکلیف بھول گئیں۔

یہ مکالمہ خواہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اور اس کے ساتھیوں کے درمیان حقیقتاً ہوا ہو یا نہ ہوا ہو بلکہ تحریف شدہ روایت ہو کہ بنانے والوں نے بات کو اس طرح ایک سلسلہ وار شکل دے دی۔ بہرحال یہ ایک مخلص صوفی کے احساسات کی تعبیر ضرور ہے جو رات دن عالم بالا میں مستغرق اور تضرع و زاری میں مصروف رہتا ہو۔ کسی چیز کی پروا کیے بغیر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہتا ہو اور دوران تجلیات میں تکلیف والم کا احساس تک نہ کرتا ہو۔

جس طرح حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے دوستوں سے صدق کے بارے میں دریافت کیا تھا تا کہ وہ لوگ زہد وتعبد میں صحیح ادب حاصل کر سکیں اس طرح اس نے ہمنشینوں سے سخاوت کے بارے میں سوال کیا کہ سخاوت کسے کہتے ہیں؟

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا۔

''اہل دنیا کے نزدیک سخی وہ ہے جو مال لٹاتا ہے اور اہل عقبیٰ کے نزدیک سخی وہ ہے جو جان لٹاتا ہے۔''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہ نے کہا۔

''اے لوگو! تم غلطی پر ہو۔''

حضرت امام ثوری رحمتہ اللہ علیہ بولے۔''تو پھر آپ کے خیال میں سخاوت کسے کہتے ہیں؟''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا بولی۔

"یہ کہ تو اس کی عبادت صرف محبت کی بنا پر کرے نہ کہ ثواب و جزا کے لالچ سے۔"

اس قسم کے اور دوسرے مکالمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا فصل خطاب کی مالک تھی۔ عابد، زاہد، عارف اور صوفی حضرات نے اس کی فضیلت اور حسن کلام کا اعتراف کیا ہے۔ اور اسے استانی، ناصحہ اور مودبہ تسلیم کیا ہے۔

مشہور صوفی حضرت صالح مری رحمتہ اللہ علیہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی مجالس میں آیا کرتے۔ بڑے شوق سے باتیں سنا کرتے اور جو بات سمجھ میں نہ آتی اسے دریافت کیا کرتے۔ ایک دن وہ بار بار کہے جاتے تھے۔

"جو شخص برابر دروازہ کھٹکھٹاتا رہے گا یقیناً اس کے لیے کھولا جائے گا۔"

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے سنا تو جھڑکتے ہوئے بولی۔

"تو کب تک یہی کہتا رہے گا؟ یہ دروازہ کب بند کیا گیا جو کھولا جائے گا؟" صالح کہنے لگے۔

"بوڑھا جاہل نکلا اور عورت واقف نکلی۔"

اس بڑے بھاری صوفی نے یہ سن کر اس کے علم و معرفت کا اقرار کر لیا جس طرح پہلے بھی وہ اور اس کے ہم عصر اقرار کر چکے تھے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی باتوں اور مکالمات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم توحید کی بڑی عالم تھی۔ وہ ذات الٰہی تک پہنچ چکی تھی جو حدود

و قیود سے بالا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا دروازہ کوئی چوکھٹ، قفل اور کنجی والا نہیں۔ یہ تو اصل میں کون و وجود کے بارے میں رموز ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مقید و محدود نہیں ہوسکتا وہ تمام آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

شیخ کی یہ بات ہمیں خلیفہ عادل حضرت عمر رضی اللہ عنہ الخطاب کی بات یاد دلاتی ہے کہ ایک دن انہوں نے ایک عورت کے علم و فضل کا اقرار فرمایا اور اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ وہ وراثت نسواں پر تقریر اور بعض حلال یعنی طلاق کا ذکر کر رہے تھے تو انہوں نے اس عورت سے فرمایا جس نے ان کی غلطی پکڑی تھی۔

''مرد نے غلطی کی اور عورت نے درست کیا۔''

بڑے بڑے لوگ فضیلت کی بنا پر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی قدر منزلت کرتے تھے ورنہ مرد کب عورت کی عزت کرتے ہیں جب تک یہ نہ دیکھ لیں کہ وہ ان سے بڑھی ہوئی ہے۔ ہر زمانے اور ہر شہر میں مردوں کی یہ عادت رہی ہے مگر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے حقیقتاً ایک مقام پیدا کر لیا تھا کہ کوئی رمز اور کوئی بات اسے دشوار نہ معلوم ہوتی تھی ایک دفعہ ایک عالم نے دریافت کیا۔

''آپ تو بڑی ماہر ہیں کیا آپ سرحد کی حفاظت کے لائق نہیں؟''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے جواب دیا۔

''میں تو آج کل بھی سرحد کی محافظ ہوں کیونکہ میں کسی چیز کو اندر سے نکلنے نہیں دیتی اور کسی بیرونی چیز کو اندر داخل نہیں ہونے دیتی۔

سائل نے یہ سوال حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے حسن بیان کا امتحان لینے کے لیے کیا تھا اس نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو ان لوگوں سے تشبیہ دی تھی جو سرحد کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو یہ تشبیہ پسند آئی تو اس نے اس پر حاشیہ چڑھاتے ہوئے کہا۔ میں تو خود ہی اس کام پر لگی ہوں۔''

بلاشبہ انسانی زندگی سرحدی علاقے کے مشابہ ہے کہ دشمن ہر وقت تاک میں رہتا ہے۔ یہ دشمن بدکرداریوں اور خطاؤں کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلعے کی اندرونی جانب سے چھپے ہوئے دشمن یا تاراج کرنے والے کے مقابلے پر ڈٹا رہے تاکہ مدافعت کر کے اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا سکے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ظاہری و باطنی تعبیرات میں بڑی ماہر ہے۔ وہ مکالمات میں خوب کنایہ و توریہ سے رموز و اسرار میں بات کرتی ہے البتہ محبت الٰہی کے بارے میں اس نے رموز و اسرار کے پردے چاک کر دیئے اور نہایت واضح و صریح الفاظ میں صوفیانہ معانی بیان کیے ہیں چنانچہ اس سے پوچھا گیا۔

''تو نے اس محبت کو جو بڑی مشقت سے حاصل کی ہے، کیسا پایا؟''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے کہا۔

''عاشق و معشوق میں کوئی فرق نہیں یہ تو ذوق و شوق کی باتیں ہیں جس نے مزہ چکھا ہے وہی جانتا ہے اور جو بیان کرتے پھرتے ہیں۔ وہ

نہیں جانتے۔ تو کس طرح اس ذات کی صفت کر سکتا ہے جس کے سامنے تو غائب ہو، جس کے وجود سے تیرے وجود کو دوام ہو اور جس کے شہود میں تو غیر حاضر ہو۔

''ہیبت زبان کو گونگا کر دیتی ہے۔ حیرت دل کو اظہار سے روک دیتی ہے۔ غیرت نظروں کے لیے حجاب ہے اور دہشت عقول کو اقرار سے روکتی ہے تو یہاں ایک دائمی دہشت اور ابدی حیرت ہے۔ دل سرگشتہ و فریفتہ ہیں اور اسرار ہیں کہ پوشیدہ ہیں......

کوئی بڑی بات نہیں اگر یہ نادر تصویر کشی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی ہو کیونکہ وہ فن کلام کی ماہر عارفوی رہبر اور صوفیوں کی قائد تھی۔ وہ ایک عرصے تک اس راہ میں مجاہدات کرتی رہی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عاشق زار جسے عشق نے زار و نزار کر دیا، لطافت نفس کی بنا پر لطیف تعبیر کا محتاج ہوتا ہے اس لیے وہ اپنے اندر ایک مصنوعی شخصیت فرض کر لیتا ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جب کبھی حب الٰہی کی تجلیات بیان کرتی ہے تو مقفیٰ و مسجع عبارات استعمال کرتی ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی طرف ان عبارتوں کی نسبت صحیح ہے یہ نہیں کیونکہ ابتدائے اسلام میں تو اس قسم کی عبارتوں کا رواج نہ تھا۔ یہ تو زمانہ مابعد کی باتیں ہیں جب تکلیف پسند لوگوں کا دور آیا ہے۔ معاملہ جو کچھ بھی ہو بہرحال یہ مسجع فقرے ایک مقناطیسی قلبی کشش صاف عشق اور ذکر الٰہی سے بھرپور ہیں مگر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ کسی راوی کے

گھڑے ہوئے ہیں جب حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شک ہو سکتا ہے تو ہم رہبر صوفیہ کے اقوال سے متعلق کیوں شک نہیں کر سکتے؟

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی روح اس کے جسم میں دوڑ رہی تھی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی اس سے جدا بھی ہو جاتی تھی پھر لوٹ آتی تھی حتیٰ کہ وہ تجریدی درجے تک پہنچ گئی تھی جیسا کہ اس کے حوادث و مجالس سے معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً آخر عمر میں تو اس نے تمام پردے اٹھا دیئے تھے چنانچہ کہتی ہے:

"میرے اور خدا کے درمیاں کوئی فرق نہیں۔"

یہ تو زبردست جسارت خالق و مخلوق کے درمیاں تفریق اٹھا دیتی ہے تفریق تو ضروری اور دائمی ہے خواہ وہمی طور پر کیوں نہ ہو اس لیے سکری بنا پر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا یہ کہنا کسی طرح قابل عفو نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسے اقوال اسرار وجود کو منہدم دیتے ہیں۔

ہمیں معلوم نہیں کہ مخلوق کے درمیان جو آداب قابل لحاظ ہیں ان کی خلاف ورزی کس حد تک قابل عفو ہوتی ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی حالت اپنی تسبیح و مقامات روحیہ میں کچھ ایسی ہو گئی تھی جیسے کوئی ناز پروردہ بچہ والدین سے گستاخی کر بیٹھتا ہے مگر صوفیہ سے دائرہ ادب میں ہم وارفتہ عشاق کی زبانی ایسی بہت سی باتیں سنتے ہیں۔ اسی والہانہ انداز کی ایک نظم حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی طرف منسوب ہے۔

كَاسِىْ وَخَمْرِىْ وَالنَّدِيْمُ ثلاثة وانا الْمشوقةُ فِىْ الْحبّة رابعه

جام، شراب اور ندیم ان تینوں کے درمیان میں وارفتہ محبت چوتھی ہوتی ہوں

كَاسُ المَسرَ ةِ وَالنَّعِمِ يُدِيرُهَا سَاقِي المَدَامِ عَلَى المَدىٰ مُتَتَابِعَه

سرور و راحت کے پیالے کا دور ساقی پے در پے چلاتا رہتا ہے

فَاِذَا نُظَرتُ فَلا اَرىٰ اِلاَّ لَهُ وَاِذَا حَضَرتُ فَلا اَرىٰ اِلاَّ مَعَهُ

جب میں نگاہیں اٹھاتی ہوں تو اس کو دیکھتی ہوں اور جب میں ہوتی ہوں تو اسی کے ساتھ ہوتی ہوں

يَا عَاذِلِي اِنِّي اُحِبُّ جَمَالَهُ فَوَاللّٰه مَا اَذَانِي لِعَذلِكَ سَامِعَهُ

اے ناصح مجھے اس کے جمال سے محبت ہے واللہ میرے کان تیری نصیحت سے بہرے ہیں

كَم بِتُّ مِنْ حَرَتِي وَنَرطِ تَعَلُّقِي اَجرِىٰ عَيرُنَا مِنْ عُيُونِيٰ اِلدَّمعَهُ

میں نے کتنی راتیں اس کی محبت میں جلتے ہوئے گزاری ہیں کہ میری آنکھیں آنسوؤں کے دریا بہا رہی تھیں

لَا عَبرَتِي تَرقَ وَلَا وَلِلِي لَهُ يَبقِي وَلَا عَينِي القَرِيحَةُ هَاجِعَه

نہ میرے آنسو تھے نہ وصل دائم رہا نہ میری زخمی آنکھ پل بھر کے لیے جھکی

ہماری عقل اور ہماری تنقیدات ان اشعار کے سامنے نہیں ٹھہرتی کیونکہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اپنی نہ گھٹنے والی بلند محبت میں حد سے بڑھ چکی ہے۔ علاوہ ازیں یہ ابیات اگرچہ اپنے اندر نادر تعبیر و تصویر رکھتے ہیں مگر ان میں ایسی بے تکلفی ٹھاٹھیں مارتی ہے جو آداب محبت و حرمت تصوف کے خلاف ہے۔

غزل کی کچھ حدود ہوتی ہیں خواہ وہ کتنی ہی پست کیوں نہ ہو جنہیں نظر انداز کرنا روا نہیں ہو سکتا کیونکہ انہیں حدود سے غزل کا قبول ہے۔ عبودیت کا میدان ہمیشہ مقدس رہنا چاہیے کہ کوئی قدم رکھے تو پھونک پھونک کر رکھے۔ اس لیے محبت الٰہی کے نام پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی یہ

بے تکلفی کبھی بخشی نہیں جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ کو اس طرح خطاب کرنا، جس طرح ایک فانی دوسرے فانی کو خطاب کرتا ہے، تنقید و جرح کو دعوت دیتا ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی اس زبان سے اس قسم کے اشعار نکل جانا قابل تعجب نہیں کیونکہ اس کا دل زبان پر شعر بن کر ٹپک پڑا تھا۔ ادھر اس زمانے کی لغت و بیان نے اس کی مدد کی۔ یہ بات یقینی ہے کہ اس کی دینی ثقافت، روایات حدیث اور حفظ اور ادو اذکار نے اس راہ میں بسلسلہ اخذ و اقتباس اس کی مدد کی ہو گی۔

اس کے یہ صوفیانہ رموز، قدرت زبان اور حسن تعبیر پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ اشعار جو اس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں، اگرچہ ہلکے پھلکے اور نرم ہیں مگر ان کے صوفیانہ معانی بلاشبہ عمدہ اور بلند ہیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے بعد صوفی شعراء نے اس قسم کے معانی عجیب عجیب طریقوں سے بیان کیے ہیں اور وہ تعبیر و توریہ میں حدود سے بہت زیادہ تجاوز کر گئے ہیں کیونکہ وہ خدائی سکر، روحانی خم اور سماوی شرابوں سے سرشار تھے بلکہ یہ صوفیانہ اشعار، قوالی و میلاد کی مجالس کے اشعار سے بہت زیادہ قریب ہیں۔

زہد و تصوف کے بارے میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے اشعار و اقوال اسی طور کے ہیں۔ وہ اصل میں یا تو ایک مناجات ہیں جس نے جذبات و تحلیل سے بھرپور غزل کا لباس پہن لیا ہے، یا کسی ایسی نظم کے بند ہیں جو مجالس ذکر میں اکثر پڑھے جاتے تھے۔ کسی بحث کرنے

والے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ تمام اشعار و اقوال پر بحث کرے جب ان میں سے اکثر حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی طرف غلط طور پر منسوب ہو گئے ہیں۔

جب حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے اس عزلت پسندی اور ہمنشینوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا۔

گو ان اشعار کا وزن، قافیہ۔ نظم اور معنی سب اس طرز کے ہیں جو قوالیوں کا تھا پھر بھی ان سے پتا چلتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا شاعرانہ طبیعت رکھتی تھی اور وہ جو کچھ مجالس ذاکر و تصوف میں سنتی یا شب بیداریوں میں محسوس کرتی تھی یہ ابیات اس کا آئینہ ہیں۔

رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا شعر کے پردے میں حد سے بڑھ گئی ہے جیسا کہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے اور عشق و وارفتگی کا اس طرح اظہار کر گئی ہے کہ ایسا اس سے پہلوؤں سے نہیں کیا۔ بعض معاصرین نے اس سلسلے میں بہت زیادہ بحث کی ہے۔ خصوصاً دو مستشرقین جنہوں نے اسلامی تصوف پر قلم اٹھایا ہے مگر میرے خیال میں انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے انصاف نہیں کیا اور اسے اچھی طرح نہیں پڑھا جس سے اس کی زندگی کے اسرار کھلیں اور پوری روشنی پڑ سکے۔ ان لوگوں نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی محبت کو عشق سے تعبیر کیا ہے اور چونکہ انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے پیشتر کے مسلمانوں کو اس درجے پر نہیں پایا کہ وہ بالکل عشق ہی کے ہو رہے ہوں اور حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی طرح فنا فی الحب ہو گئے ہوں اسی لیے وہ اس کی محبت اور اس کی صوفیانہ

تعلیمات کو غیر اسلامی قرار دیتے ہیں۔

مسیحیت کی بنیاد محبت پر ہے کیونکہ ان کے نبی دنیا کو محبت کی بشارت دیتے پھرے۔ مسیحیت کی تاریخ یقیناً ایسے مقدس مردوں اور مقدس عورتوں سے بھری پڑی ہے جو ہیکلوں میں اوندھے پڑے رہتے تھے اور دنیا کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اگرچہ ان کے جوتے آواز کرتے تھے لیکن وہ کنیسوں کے فرش پر نسیم کی طرح سبک چلتے تھے۔ ان کے جسم ٹاٹ سے ڈھکے ہوئے تھے اور ان کے زناروں سے چمکیلی صلیبیں لٹکتی رہتی تھیں۔ وہ یک زبان ہو کر کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب میں محبت الٰہی رچ گئی ہے۔ ہاں یہ محبت انسانی محبت کے مشابہ نہیں مگر محققین نے اس محبت کو عشق کا نام کبھی نہیں دیا بلکہ اس سے منزہ قرار دیا ہے اور اسے ایسی مثالی محبت سے تشبیہ دی ہے جس کی مسیح علیہ السلام نے بشارت دی ہے۔

عشق کا لفظ نہ قرآن میں آیا ہے نہ حدیث میں کیونکہ عشق کا مطلب ہے محبت میں حد سے تجاوز کر جانا اور ایسا شخص یقیناً حدود معروفہ سے تجاوز کر جاتا ہے اسلامی تصوف کی زندگی تو اس شہر کے مشابہ ہے جو شہر پناہ اور چوکیدار رکھتا ہو، جس میں وہی لوگ داخل ہو سکتے ہیں جنہیں خوش قسمتی سے اجازت مل گئی ہو۔

اس شہر کی ایک خاص زبان، خاص آثار اور خاص محاورات ہیں جن سے سربستہ راز کھلتے ہیں۔ اس لغت کی ایک خاص قاموس ہے جو سینوں میں محفوظ ہے اگرچہ آج تک طبع نہیں ہوئی کیونکہ ہر کلمہ اور ہر تعبیر کے لیے

صوفیہ کے ہاں مخصوص رموز ہیں۔ اس کا سہرا بھی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ہی کے سر ہے۔ جس نے اس قاموس میں کلمات اولین درج کیے بلکہ وہ سب سے پہلی شخصیت ہے جس نے تصوف اسلامی میں حب الٰہی کو داخل کیا۔ جب اس شہر کے دروازے پر محبت و حب کے کلمات پہنچے تو شہر کے چوکیداروں یعنی ماہر صوفیوں کو یہ کلمات اوپرے معلوم ہوئے کیونکہ وہ خیال کرتے تھے کہ یہ چیز فلاطونیت یا یہودیت و مسیحیت کی تعلیمات سے ہے۔ ہماری مجالس میں اسے رواج نہ پانا چاہیے اس لیے عشق کا لفظ زیادہ موزوں ہے کہ لے لیا جائے شاید انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی خوشنودی کے لیے جو اس شہر کی بانی ہے، اس معزز مہمان کو اپنے شہر میں داخل کر لیا اس لیے کلمہ، عشق شہر کی چار دیواری میں گشت کرتے ہوئے صوفیہ کی قاموس میں داخل ہو گیا تاکہ اپنے حروف ثلاثہ کے ذریعے سے اس نادرہ روزگار عورت کی تاریخ کی تعبیر کر سکے جس نے اس لفظ کے عین کو اپنی بینا آنکھیں، شین کو اپنا شوق و ذوق اور قاف کو اپنا قلب سلیم عطا کیا۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا یہ مذہب ساری دنیا میں پھیل گیا۔ اگر شمار کیا جائے تو لاکھوں انسان جنت کے دروازے پر کھڑے نظر آئیں گے۔ ہر ایک اپنی نوبت کا منتظر ہو گا کہ جنت میں داخل ہو لیکن اگر باب جنت پر رضوان کھڑا ہو جائے اور یہ اعلان کر دے کہ اس دروازے سے صرف وہ لوگ داخل ہو سکیں گے جنہوں نے دنیا میں خدا سے محبت صرف لوجہ اللہ کی ہے تو تقریباً سب لوٹ آئیں گے سوا چند ایک

کے جن میں سب سے آگے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ہو گی......

یہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ہی ہے جس نے عبادت میں صفا و خلوص پیدا کیا اور اسے ہر دینی غایت سے پاک کیا۔ یہ سطور لکھتے ہوئے مجھے لبنان کے شاعر یکتا جبران خلیل جبران کے وہ شعر یاد آ گئے جن میں اس نے عبادت کے مطامع و مرغوبات کا ذکر کیا ہے وہ کہتا ہے۔

والدین فی الناس حقلٌ یزرعهٗ

الّا لمن لهم فی زَرْعهٖ وطر

لوگوں نے دین کو ایک قسم کی کھیتی سمجھ رکھا ہے جسے وہی لوگ کاشت کرتے ہیں جنہیں اس کی ضرورت ہے۔

فالناس لو لا عذاب النّار ماعَبَدُوا

رَبّا ولو لا الثواب المرتجی کَفَروا

اگر عذاب جہنم نہ ہوتا تو لوگ کسی بھی پروردگار کی عبادت نہ کرتے اور اگر ثواب کی امید نہ ہوتی تو سب کافر ہوتے۔

بے شک حب الٰہی تجرو اور صدق میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو سبقت کی فضیلت حاصل ہے یہ کیا کم فضیلت ہے کہ صوفیہ کی رہبر ایمان و تقویٰ، معرفت و بصیرت میں امام ہے اور حضرت بشر حانی ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ، ابن الفارض رحمتہ اللہ علیہ، ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ جیسے چوٹی کے لوگوں سے سبقت لے گئی ہے۔

غلامی سے آزادی کی جانب

ہر انتہا کے لیے ابتدا ہوتی اور ہر چیز کا ایک ردعمل ہوتا ہے۔ اگر ہم کسی عظیم انسان سے سوال کریں کہ تجھے کس چیز نے ابتدا برانگیختہ کیا تو وہ یہی جواب دے گا کہ ایک نقطہ حرکت نے خواہ وہ غم ہو یا عشق، بھوک ہو یا انتقام......

ابتدائی جنبش کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو جنبش دینے والے مبادی کیا تھے جنہوں نے اسے خوف، بھوک حرمان و ذلت سے دو چار کر کے پھر آزادی پر آمادہ کیا۔ یہ اصل میں اس کا نفس ہی تھا جس نے اسے ایک بلند مقصد کی طرف متوجہ کر دیا۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے اپنی سیرت اپنے ہاتھ سے نہیں لکھی اور نہ بعد کے زمانوں کے لیے کوئی ایسی تاریخی چیز چھوڑی جس

سے وسعت کے ساتھ اس کے حالات پر نظر ڈالی جا سکے۔ اور اس کے پوشیدہ اسرار کھولے جا سکیں اس لیے چند محققین کے سوا بیشتر مولفین نے سخت ٹھوکریں کھائی ہیں اور اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دی ہیں جو اس نے نہیں کہیں گو ہمارے پاس ایک دھیمی سی شمع ہے مگر وہی لے کر اس خفیہ خزانے کی چھان بین کرتے ہیں جس کا بہت سا حصہ پوشیدہ ہے اور بہت کچھ زمانے اور قلم کے ہاتھوں بکھر چکا ہے معاملہ جو کچھ بھی ہو یہ ضروری امر ہے کہ اس مدت میں جب حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا عزم و ایمان سے چلی اسے یہ ایک شدید شعور ہنکار رہا تھا کہ کسی طرح غلامی سے خلاصی حاصل کر جس نے اسی کی زندگی مکدر اور زنگ آلود کر دی تھی جب وہ آزاد ہو گئی اور اس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا تو بھی اسے غلامی کا احساس رہا خواہ اس کا مقصد کتنا ہی لطیف اور بلند کیوں نہ ہو گیا تھا۔ تاریخی کتابیں بتاتی ہیں کہ وہ آل عتیک کی آزاد کردہ تھی اسی لیے وہ بنی عدوہ کی جانب منسوب ہے بنی عتیک قیسی تھے اس لیے مناوی نے طبقات الاولیاء اور جاحظ نے کتاب البیان و التعبیین میں اسے قسیسیہ لکھا۔

مورخین میں اس کے متعلق بڑا اختلاف ہے کہ اس عاشقہ متصوفہ کی صحیح نسبت کیا ہے وہ اسے دوسری ہم نام صوفی عورتوں سے تمیز نہ کر سکے جو عبادت موعظت، اقوال و اشعار اور روحانی محبت میں اس جیسی تھیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا عشق الٰہی میں مبتلا ہونے سے پہلے حریت پسند تھی۔ حریت کی طلب میں انسان نے سطح ارض پر کتنی

مصیبتیں برداشت کی ہیں اور جب کبھی اس نے غلامی کی ایک گرہ کھول لی ہے تو دوسری گرہ کے کھولنے کا اور زیادہ مشتاق ہو گیا ہے۔ تاکہ تمام گرہیں پوری طرح کھول ڈالے کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ اس مقصد میں ناکام رہا اس لیے اس کے دل سے کچھ حسرتیں پیوستہ رہیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جو غلامی میں مبتلا تھی اور سخت تکالیف برداشت کرتی تھی اس کا بھی مطمع نظر آزادی کامل تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ انسان کی غلامی سے بالکل آزاد ہو جائے۔

اس کی ذلت آمیز متحیر اٹھان، برباد بچپن، سامان کی طرح خرید و فروخت پھر ایک مرد کے ہاتھوں ناکام زندگی، صحراؤں میں مارا مارا پھرنا، زندگی کا اضطراب اور آخر آزادی و استقلال ان تمام چیزوں نے اس کے اندر قوت مدافعت کو تیز اور قوی کر دیا تھا اس لیے وہ ایک آندھی کی طرح اٹھی جو فضا پر چھا گئی ہو اور دنیا کی کدورتوں سے پاک ہو گئی ہوتی کہ وہ نسیم باد بہاری کی طرح صاف پاکیزہ ہو گئی۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا آزادی کے بعد اپنے آقا کے پاس سے نکلی اور شب زندہ دار صوفی زاہدوں کے حلقے میں شامل ہو گئی۔ اب وہ جسم و روح کی کامل آزادی محسوس کرتی تھی جب وہ انسان کی غلامی سے کاملاً آزاد ہو گئی تو اس نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کے لیے وقف کر دیا تاکہ اس کا آقا بن جائے کیونکہ اب اس میں انسانی غلامی کی برداشت کی طاقت کسی طرح نہ رہی تھی۔

جب اس نے خوف عذاب نار ا[illegible] نعیم کے لیے عبادت و زہد کی راہ اختیار کر لی تو بھی وہ اس [illegible] میں غلامی محسوس کرتی

تھی۔ اس لیے اس کی قوت مدافعت بڑھ گئی تھی۔ مجاہدات کے ذریعے سے اس نے بلند مرتبہ حاصل کر لیا۔ اور اس نے بلند عالم کی طرف جو مادیات سے ماوراء ہے پرواز کی جس کی وہ مشتاق تھی۔ چنانچہ دن رات ذکر کی وجہ کی تپش کی تھی اور عشق معرفت و عبادت کو شعار بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھتی۔ وہ اس پر مہربان تھا۔ اس نے بصیرت عطا کی اور طویل کٹھن راستے کو منور کر کے اس کی آزادی واپس کر دی تا کہ وہ عمر جسے اضطراب و زہد نے تلخ بنا دیا تھا۔ خوش گوار ہو جائے یہاں سے یہ عاشقہ متصوفہ بلند مقامات تک پہنچی جو ان اولیاء اللہ مقدس ہستیوں اور ربانیوں کے لیے مخصوص ہیں جو زندگی اللہ تعالیٰ کو سونپ دیتے ہیں اس لیے وہ ان کے صبر و حسن عمل کا بدلہ رضائے ابدی امن سرمدی سے دیتا ہے۔

صوفیت اور روحانی زندگی میں یہ درجہ ولایت کوئی مردوں تک محدود نہ تھا کہ عورتوں کی وہاں تک رسائی نہ ہوتی کیونکہ تراجم و تاریخ کی کتابیں اس قسم کی باتوں اور عجائبات سے بھری پڑی ہیں جو صالح مومنات سے تعلق رکھتی ہیں جنہوں نے مردوں کی طرح مجاہدات کیے نفوس کو پاک کیا اور ایمان و طہارت کو مضبوط تھا حتیٰ کہ وہ اولیاء اللہ رحمتہ اللہ علیہ میں شامل ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نور بصیرت عطا فرما کر ان کے ہاتھوں سے کرامات کا ظہور کیا۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جسے دین و ایمان نے پاکیزہ بنا دیا تھا جس کا تصوف بے غل و غش تھا جس نے تقویٰ و تعبد خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ اختیار کیا تھا اس پر نفس طاہر اٹھے ہوئے ہاتھوں اور دعائے مستجاب کی

بدولت حقائق وجود منکشف ہو گئے اور خداوندی برکتیں نازل ہونے لگیں تو
وہ قوم میں امانت و تجرد روحانی سے مشہور ہوگئی لوگوں نے اس کی اصلاح
وکرامات پر بھروسہ کیا وہ اس کی رضامندی و محبت کی طلب میں اس کے
پاس آتے جاتے اور ہدیئے پیش کرتے کہ انہیں قبول کرے تو وہ انکار کر
کے شکریئے سے واپس کر دیتی۔

ایک دن حضرت امام سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت رابعہ بصری
رحمتہ اللہ علیہا کی زیارت کے لیے آئے تو دیکھا کہ ایک تاجر دروازے پر
خاموش و پریشان کھڑا ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے وجہ
دریافت کی تو کہنے لگا۔

"میں دیناروں کی ایک تھیلی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے
لیے بطور ہدیہ لایا ہوں تاکہ وہ اسے خرچ میں لائے مگر میں ڈرتا ہوں
مبادا وہ اسے رد کر کے واپس کر دے تو کیا آپ اسے ہدیہ لینے پر راضی
کر سکتے ہیں؟"

دو مرد حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے پاس آئے اور دونوں
نے کچھ دینار پیش کیے تو اس نے روتے ہوئے آسمان کی طرف ہاتھ
بڑھائے اور کہنے لگی۔

"وہ جانتا ہے کہ میں اس سے دنیا مانگتے شرماتی ہوں حالانکہ وہ
ساری دنیا کا مالک ہے تو ایسے شخص سے کیونکر لے لوں جو اس کا مالک
نہیں۔"

ایک روز وہی تاجر ہزار طلائی درہم لایا اور ایک مکان بطور نذرانہ

پیش آیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ آپ نے ان کی الحاح وزاری قبول کر لی اور اس مکان میں بیٹھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مطلوا نقش نگار دیکھ کر اس کا احساس ہوتے ہی وہ استغفار پڑھتی ہوئی فوراً نکل کھڑی ہوئی اور یہ کہہ کر مالک مکان کو مکان واپس کر دیا۔

"مجھے ڈر ہے کہیں میرا دل تیرے مکان میں منہمک ہو جائے اور آخرت کے کاموں سے روک دے میری تمام تر آرزو یہ ہے کہ عبادت کے لیے فارغ رہوں۔"

اس کے ہمنشیں زیارت کے لیے آتے رہتے تاکہ سکون قلب اور رشد و ہدایت حاصل کریں وہ با ادب بیٹھے رہتے مگر انہیں بھی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا تقشف میں غلو کرنا برا محسوس ہوتا تھا اور وہ بھی اس بات کو اچھا نہ جانتے تھے کہ وہ ہر امداد کو جو ان کی یا دوسروں کی طرف سے ہو واپس کر دیتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ آئے وہ ریاضات میں مصروف تھی دیکھا کہ ٹوٹے پیالے سے پانی پی رہی ہے پھٹا پرانا بوریا بچھا ہے اور تکیے کی جگہ اینٹیں رکھی ہیں تو وہ بڑے کبیدہ خاطر ہو کر کہنے لگے۔

"رابعہ! میرے چند دوست امیر ہیں اگر تو اجازت دے تو تیرے لیے ان سے کچھ مانگ لوں۔"

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے جواب دیا۔

"مالک بڑی بڑی بات ہے مجھے اور انہیں اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے۔ کیا جو امیروں کو رزق دے سکتا ہے غریبوں کو نہیں دے سکتا؟ جب اس

کی مشیت ہی یہی ہے تو ہم راضی برضا ہیں۔"

ایک دن حضرت امام سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ جو اس کا مقرب ترین دوست تھا، پوچھنے لگا۔

"حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا تیرا جی کسی چیز کو چاہتا ہے؟"

شاید سوال اس نے کھانے کی چیزوں کے بارے میں کیا تھا تو وہ بولی۔

"سفیان تو ایسا سوال کرتا ہے حالانکہ تو مجھے خوب جانتا ہے؟ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بارہ سال سے میرا دل کھجوریں کھانے کو چاہتا ہے۔ بصرہ میں کھجوریں بہت ہیں مگر میں نے آج تک نہیں کھائیں۔ میں تو بندا کی بندی ہوں اس لیے مجھے اپنی مرضی پر چلنے کا کوئی اختیار نہیں کیونکہ اگر میں ارادہ کروں اور خدا ارادہ نہ کرے تو یہ نافرمانی ہو گی۔

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے سر تسلیم خم کر دیا اور کہا۔

"حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا میں تیرے بارے میں گفتگو کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا تو تو ہی میرے بارے میں زبان کھول۔"

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا مسکرائی اور کہا۔

"اگر تیرا میلان دنیا کی طرف نہ ہوتا تو تو بے عیب انسان ہوتا۔"

حضرت سفیان رحمتہ اللہ علیہ شرمندہ ہو گیا اور غم سے سر جھکا لیا۔ پھر روتے ہوئے سر اٹھا کر کہا۔

"پروردگار! کاش تو مجھ سے راضی ہو۔"

"تو اللہ تعالیٰ سے بات کہتا شرماتا نہیں کہ مجھ سے راضی ہو جا

حالانکہ تو نے اس کی رضامندی کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔"

یہ حکایتیں اور ان جیسی بہت سی متواتر روایتیں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے خاص تصوف وتعبد کی تائید کرتی ہیں کیونکہ وہ کچھ کھاتی یا نہ کھاتی آرام کرتی، یا بے آرام رہتی، خوش ہوتی یا غمگین، یہ سب اس کے نزدیک برابر تھے تصوف نے اس پر حضور ذہنی کے ساتھ ساتھ ایک بھول سی طاری کر رکھی تھی۔ وہ ساکن و صامت رہتی تو کیا یہ وہی جیتی جاگتی حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا تھی یا اس کے سوا کوئی اور عورت تھی؟

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا حدود سے تجاوز کر گئی تھی۔ وہ دیواروں کو پھاند چکی تھی مگر اپنے اختیار سے نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نہ تھی۔ اس کے مرید اور متبعین اس کی تعظیم و تمجید کے لیے بڑھتے تو وہ ان کی مدح و ثنا سے نفرت کرتی اور اپنے آپ کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیتی۔ وہ لوگوں کو اپنے بارے میں ایسا اعتقاد رکھنے سے روکتی اور سخت تکلیف محسوس کرتی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عوام نے اپنے کتنے مقدس بزرگوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا ہے۔ میں نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کو دیکھا نہیں۔ نہ یہ دیکھا کہ قوم کس طرح اس سے برکت کی طالب ہوتی تھی۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ بصرہ کے بازار سے گزر رہی ہے یا اپنے گوشے میں بیٹھی ہے اور ان لوگوں سے ناراض ہے جو اس سے ملنے آتے ہیں کیونکہ وہ اس کی روحانی زندگی اور ولایت صادقہ کو مکدر کرتے ہیں۔

سچا ولی موہبیت آلہی کو خراب کرنا کب گوارا کر سکتا ہے چنانچہ
حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا دجل وفریب سے بچی اور ہر انسانی مدد کو
رد کر دیتی تھی کیونکہ وہ بھی اسی جیسا مجبور انسان تھا۔ دینے والا تو اصل
میں اللہ تعالیٰ ہے فانی انسان کی عطا ہی کیا؟ انسان احسان کر کے
دوسرے کو غلام بنانا چاہتا ہے اسی لیے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا
نے مخلوق کے عطیے قبول نہ کیے وہ تو خالق سے طلب کرتی تھی اس کا
خیال تھا کہ دنیا ایک ذات کے سوا کسی کی ملکیت نہیں بلکہ ایک مستعار
مال ہے جو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے
یہیں سے ہم رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا فلسفہ معلوم کر سکتے ہیں۔
حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سمجھتی تھی کہ وجود صرف موجد کی ملکیت
کی ہے انسان تو صرف ایک کارندہ یا قاصد ہے۔ ایک جاتا ہے تو اس کی
جگہ دوسرا آ جاتا ہے اس لیے حقیقت فانی باقی کا اختیاری یا جبری طور پر
خادم ہے تو پھر کوئی دعویدار کس طرح حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا
کے سامنے ہاتھ بڑھا سکتا ہے جب اس کا ہاتھ خود ایک مستعار شے سے
زیادہ وقعت نہیں رکھتا؟

یہ تمام باتیں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے ذہن نشین تھیں
کیونکہ وہ عقل سلیم کی مالک تھی اس کے سلوک وکرامات سے کبھی آزادی
و مدہوشی کی بو بھی نہیں آئی۔ اس لیے اسے لوگوں پر غصہ آتا تھا کہ وہ
کیوں اس کے بارے میں عجیب عجیب اعتقادات رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس
نے ان سے منہ موڑنا شروع کر دیا۔ بسا اوقات سخت ملامت بھی کی

ایک سوال کرنے والے نے اس سے پوچھا۔
"اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہ کو کرامات کا تاج بخشا ہے
تو اس مرتبے تک کیونکر پہنچی؟"

اس نے جواب دیا۔
"اپنے قول و فعل سے اے اللہ! میں تجھ سے پناہ چاہتی ہوں ہر
ایسی چیز کے بارے میں جو مجھے تیرے سوا کسی اور سے مشغول کر دے
اور ہر حائل سے جو میرے تیرے درمیان حائل ہو جائے۔"

جب لوگ بہت تنگ کرتے، راز ولایت کے بارے میں بہت
زیادہ پوچھ گچھ کرتے اور باصرار کہتے کہ تو اولیاء اللہ سے ہے پھر بھی واضح
جواب نہ پا کر اس کی نسوانی غیرت کو اکساتے تو مجبوراً جواب دیتی۔
"ایک ایسی عورت کے بارے میں، جو کرامات کے لائق نہیں، جو
کچھ تم کہتے ہو ممکن ہے صحیح ہو مگر آج تک تو کسی عورت نے نبوت یا
الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا۔"

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے یہ بات کوئی فضول نہ کی تھی
اور یونہی اپنی برأت کا اظہار نہ کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے زمانے
میں قرامطہ اور مدعیان نبوت بھرے پڑے ہیں جنہوں نے اسلام کے
خلاف اٹھ کر مسلمانوں سے بڑی بڑی رقمیں وصول کر لی ہیں اور جگہ جگہ
فتنے برپا کر دیئے ہیں حتیٰ کہ جوار کعبہ میں بھی، مگر اس گناہ عظیم کا مرتکب
مردوں کے سوا اور کون ہوا ہے؟

یہ ایک حقیقت ہے جو آج تک چلی آتی ہے کیونکہ مرد ہی عورت کی

گھریلو یا بیرونی زندگی کے بارے میں مسئول رہا ہے اس لیے مرد اس کے واسطے بمنزلہ مرشد یا آئینے کے ہے۔

تو پھر بعض مردوں نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جیسی عورت سے کیوں ایسے سوالات کیے کہ وہ رضائے الٰہی کی مالک ہے اور اولیاء کرام و صاحب کرامات سے ہے جب وہ جانتے ہیں کہ بڑے بڑے زاہدوں نے اس سے تصوف سیکھا اور اس کا ادب و زہد اختیار کیا ہے؟ مگر کیا کیا جائے مردوں کے دلوں میں کچھ ایسے موروثی جذبات پائے جاتے ہیں جو ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے اگرچہ وہ عبادت گزار صالح عورتوں پر کتنا ہی ایمان کیوں نہ رکھتے ہوں۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اسلام میں پہلی زاہدہ ہے جس کے دل سے معرفت الٰہی کے چشمے ابلے اس نے زندگی کے متعدد دور زہد پر کاربند رہتے گزارے حتیٰ کہ وہ اس بات سے بھی بے رغبت ہو گئی کہ اس کا شمار اہل کرامات سے ہو۔ یہ کرامات نہ معجزات تھے نہ کچھ خواب تھے نہ علم غیب کے دعوے تھے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے دوسرے ہم عصر یا بعد کے صوفیوں کی طرح کیے ہوں شاید وہ کرامتیں جو اس کے بارے میں منقول ہیں کبھی تو اتفاق پر مبنی ہوتی تھیں اور کبھی حقیقت پر ہمارے زمانے کے سادہ لوح کچھ ایسی کرامتوں کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے خود دیکھی یا صالحین کے بارے میں سنی ہیں جن کی وہ کوئی تعلیل کر لیتے یا کسی تعلیل کے بغیر وہماً قبول کر لیتے ہیں اس لیے اس نعش کا قصہ اسی قبیل سے ہے جس کا ذکر چند ماہ ہوئے مصری

اخبارات نے کیا تھا کہ ایک مصری مرد صالح دیہاتی نے جنازے کا منہ جدھر چاہا پھیر دیا اور لوگ جدھر چاہتے تھے نہ لے جا سکے۔

بہت سے مورخین و محققین تصوف نے متعدد کراماتیں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے سر تھوپ دی ہیں اور کچھ ایسی ڈراؤنی باتیں شامل کر دی ہیں جو عوام کو پسند اور ان کے مزعومات کے مطابق ہوتی ہیں۔ فارسی صوفی حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی کراماتیں سب سے زیادہ بیان اور عجیب عجیب باتیں روایت کرتا ہے۔ عطار ہی اس قصے کا راوی ہے جس میں ہرنیاں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی طرف دوڑیں حالانکہ وہ دوسروں سے بدکتی ہیں اور جب حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے کہا۔

''ہرنیاں اس شخص سے بدکتی ہیں جو ان کا گوشت کھاتے ہیں۔''

کبھی عطار روایت کرتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا قافلہ حجاج کے ساتھ جا رہی تھی کہ اس کا گدھا مر گیا اس نے خدا سے دعا مانگی اور وہ زندہ ہو گیا۔

کبھی یہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا معتقد صوفی بیان کرتا ہے کہ ایک زاہد کھانے کی طلب میں اس کے پاس آیا۔ اس نے ہانڈی میں گوشت چڑھا رکھا تھا۔ مگر ابھی نیچے آگ نہ جلائی تھی۔ جب وہ معرفت الٰہی میں گفتگو کرنے لگے تو اسے ہانڈی کا دھیان نہ رہا۔ عشاء کی نماز کے بعد ہانڈی انڈیلنے لگی تو اس میں سے نہایت اچھا پکا ہوا شوربا دار

گوشت نکلا۔

کبھی لکھتا ہے کہ ایک چور حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے گھر میں داخل ہوا۔ لوٹے کے سوا کچھ نہ پایا جب نکلنے لگا تو حضرت رابعہ بصری بولی۔

''اگر تو واقعی چور ہے تو کچھ لیے بغیر نہ نکلنا۔''

چور نے کہا۔

''یہاں رکھا ہی کیا ہے؟''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے کہا۔

''اے مسکین! اس لوٹے کے پانی سے وضو کر کے اس حجرے میں داخل ہو جا اور دو رکعت نماز پڑھ لے تو کچھ نہ کچھ لے کر ہی نکلے گا۔''

چور نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ نماز کے لیے کھڑا ہوا تو حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا۔

''اے مولا! میرے آقا یہ شخص میرے دروازے پر آیا اور کچھ نہ پایا میں نے اسے تیرے دروازے پر لا کھڑا کیا۔ تو اپنے فضل و کرم سے اسے محروم نہ کر۔''

جب چور دو رکعت نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو اسے عبادت میں مزہ آنے لگا۔ اس لیے وہ رات بھر نماز پڑھتا رہا صبح ہوتے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا حجرے میں گئی اسے سجدے میں پایا وہ اس طرح اپنے نفس کو عتاب کر رہا تھا۔

جب پروردگار مجھ پر عتاب کرتے ہوئے کہے گا تو مجھ سے نافرمانی

کرتا شرماتا نہیں مخلوق سے چھپاتا ہے مگر میرے سامنے نافرمان بن کر آتا ہے تو میرا کیا جواب ہو گا۔"

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے یہ سنا تو کہا۔

"دوست! رات کیسی گزری؟"

اس نے کہا۔

"خیریت سے میں مولا کے سامنے مجبور و ذلیل بن کر کھڑا ہوا تو اس نے میرا عذر قبول کر لیا اور میری کوتاہیوں کو دور کر دیا۔ میرے گناہ بخش دیئے اور مجھے میرا مطلب دے دیا۔"

پھر وہ جدھر منہ اٹھا چلا گیا۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اے میرے آقا! اے میرے مولا یہ ایک گھڑی تیرے دروازے پر کھڑا ہوا تو اسے قبول کر لے اور میں نے جب سے تجھے پہچانا ہے تیرے سامنے کھڑی ہوں، کیا تو نے مجھے بھی قبول کر لیا ہے؟"

پوشیدہ ندا آئی (جیسا کہ عطار کہتا ہے) "اے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا! تیری وجہ سے ہم نے اسے قبول کیا اور تیری وجہ سے اسے مقرب بنایا۔"

یہ گھڑی ہوئی کرامتیں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی فضیلت پر دلالت کرتی اور بتاتی ہیں کہ لوگ اسے کیا سمجھتے تھے تاکہ اسے اولیاء و صادقین کی صف میں لا کھڑا کریں۔ یہ کرامتیں صرف اس کی زندگی ہی تک محدود نہ رہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی اس سے کرامتوں کا ظہور ہوا۔ لوگوں

نے کچھ خواب دیکھے یا سنے کہ انہوں نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے پوچھا تجھے کیا مراتب ملے؟ ان خوابوں میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اور اس کی سہیلیوں میں عتاب و خطاب دکھایا گیا ہے جس سے اس کے مقام عظیم کی تائید ہوتی ہے اس قسم کی کراماتیں، جو افسانوں کے مشابہ ہیں ہم ان کی نفسیاتی تحلیل کرتے ہیں تو کبھی بات کو ٹھیک بھی پاتے ہیں۔ ہمارے دور میں بہت سے ہندو جوگی ایسے ہیں جو کیلوں کے فرش پر سوتے ہیں نبض کو حرکت کرنے سے روک لیتے ہیں۔ ریت میں زندہ دفن ہو جاتے ہیں پھر عرصے کے بعد زندہ نکل آتے ہیں۔ ان لوگوں نے مشرق و مغرب کا چکر لگایا اور دیکھنے والوں کو حیران کر دیا ہے حتیٰ کہ ڈاکٹر حیران رہ گئے اور تعلیل علمی ان کھیلوں کے سامنے گنگ رہ گئی۔ گو بعض علماء نے تنویم مقناطیسی ان چیزوں کی علت قرار دی ہے کیونکہ تنویم مقناطیسی والے اپنے یا اپنے معمول پر ایسا عمل جاری کر کے عجیب عجیب کام کرتے ہیں۔

ہم نے بعض تنویم مقناطیسی کرنے والوں کو دیکھا ہے کہ وہ کسی معمول یا معمولہ کو لاتے ہیں اور ایک نظر میں اسے گہری نیند سلا کر دنیا سے غائب کر دیتے ہیں۔ پھر وہ عامل اس سے گفتگو یا مطالبہ کرتا ہے کہ ہوا میں اڑ، تو وہ آہستہ آہستہ بلند ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر واپس آ جاتا ہے مادی علماء نے اس کی تعلیل یہ کی ہے کہ یہ نفسیاتی یا روحی طاقت کا کام ہے اس لیے کہ ہر انسان میں کم یا زیادہ طاقت مقناطیسی ہوتی ہے تو جو لوگ اس قوت کو بیدار کر لیتے ہیں وہ بڑے بڑے کام کر جاتے ہیں

بعید نہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا متصوفہ جو بڑی قوی شخصیت کی مالک تھی مقناطیسی طاقت رکھتی ہو جس کی بنا پر اس کی پاکیزہ روح بالکل پاک صاف ہو گئی ہو۔ وہ جسمانی حجابات سے گزر کر روح و بصیرت کی آنکھ سے دیکھنے لگی ہو اور ایسی چیزیں کرنے لگی ہو جس کے لوگ عادی نہیں ہوتے اس لیے انہوں نے ان چیزوں کو کرامات سمجھ لیا ہو۔ بالخصوص جب اس کی ظاہری و باطنی صفات اور صورت و معنی یکساں ہو گئے تھے۔ اور مخلوقی عادتیں فنا ہو چکی تھیں تو ممکن ہے کہ پروردگار نے اسے اپنی عنایت و ولایت سے سرفراز فرما دیا ہو۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جیسی مجاہد مخلص عورت کا ولی اللہ ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ زندگی میں ہمیشہ جو ہر عرض اور صفا و کدورت رہے ہیں۔ تو جن لوگوں کے نفوس صاف نیتیں پر خلوص اور [illegible] ہو گئیں وہ [illegible] والوں کے لیے دوا اور مرجع فیض ہو گئے بلکہ تسلی و دعا کے ملجا و ماویٰ بن گئے۔

موجودہ تمدن لو ہے، مادیت اور علم و اختراع میں خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے مگر یاس کی گھڑیوں اور الحاد کی حیرت میں ہمیشہ روحانی پیاس بجھانے اور اسرار عالم غیب کا مشتاق رہے گا۔

یقیناً اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہ اور مقدس لوگوں کی زندگی میں اس عالم کے لیے شفاء ہے جو لالچ کی وبا، بے دینی اور فحاشی میں مبتلا ہو چکا ہے مگر میں نے کبھی ان مرد و زن صوفیوں کی طرف نگاہ بھی نہیں اٹھائی جو درویش، صاحب طریقہ یا مدعی ذکر و اوراد ہیں کیونکہ یہ لوگ تو جھوٹی کراماتیں دکھاتے ہیں تاکہ عوام و جہلاء کی سادگی سے فائدہ اٹھائیں۔ کوئی

گروہ اور کوئی ملک دین کے نام پر شعبدے دکھانے والوں سے خالی نہیں رہا جو اخلاقی امثال و اقدار مقدسہ پر ملمع سازی کرتے تھے۔ ادھر ہر دور میں ایسے مفکرین، صلحاء اور متقی مخلصین بھی رہے ہیں جو لوگوں کو دنیوی و دینی معاملات میں بصیرت عطا فرماتے اور وجود کے زخموں کا مرہم ہوتے تھے انہیں حقیقی اولیاء میں سے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا بھی تھی۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جس کا نفس عبودیت کے دور اول میں ہاتھوں سے جاتا رہا اس نے اپنے پروردگار کے سامنے اسے پالیا۔ یہ سب کچھ اس وحدہ لاشریک لہ کی محبت و دوستی کا نتیجہ تھا۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے اپنے اشعار میں غرض اور آرزو کی جس بحث کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد ہے۔ اللہ کا احسان اور انعام جو وہ اپنے بندوں پر روا رکھتا ہے اور جس ذات یعنی خاص حب الٰہی کا ذکر کیا ہے اس سے مراد ہے دیدار الٰہی اور جمال خداوندی کی بحث جس کا نظارہ ان کے دل کی آنکھوں نے کیا اور یہی محبت سب سے برتر ہے۔

جمال ربوبیت کی لذت بجائے خود سب سے بڑی چیز ہے اس کے بارے میں ایک حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے نیک اور صالح بندوں کو وہ چیز دیتا ہوں جسے نہ عام آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ عام کان سن سکتے ہیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزر سکتا ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ہر وقت مغموم اور ملول رہا کرتی تھیں ان کی آنکھیں ہر وقت نم رہتی تھیں اور جب وہ عذاب دوزخ کا کبھی ذکر سنتی تھیں تو وہ دیر تک اس کی دہشت محسوس کرتی اور کبھی کبھار تو اس دہشت کی وجہ سے دیر تک بے ہوش رہتی تھیں۔ ہوش آنے پر توبہ کرتی اور برابر استغفار کرتی اور سجدہ کرتی تھی اور برابر ان کی آنکھیں نم رہتی اور توبہ کرتی اور دیر تک روتی رہتی تھیں۔ ان کی نماز کی جگہ ہمیشہ ان کے آنسوؤں سے تر رہتی تھی۔

ایک مرتبہ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص سر پر پٹی باندھ کر چلا جا رہا تھا۔ آپ نے اس شخص کو روک کر اس سے پٹی باندھنے کی وجہ پوچھی تو اس شخص نے بیان کیا کہ میرے سر میں درد ہے تو آپ رحمتہ اللہ علیہا نے اس سے اس کی عمر کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ میری عمر تقریباً 30 سال کے قریب ہے اور آپ رحمتہ اللہ علیہا نے پوچھا اس سے پہلے کیا تم بیمار تھے تو اس نے جواب دیا نہیں پہلے میں تندرست تھا اب میں بیمار ہوا ہوں پہلی مرتبہ تو آپ نے جواب دیا۔

کیا کبھی تندرستی کی پٹی بھی باندھی تھی تو اس نے جواب دیا وہ کیسے تو آپ رحمتہ اللہ علیہا نے جواب دیا کہ کیا کبھی کسی کو بتایا تھا کہ میں تندرست ہوں آج بیمار ہوئے ہو تو سر پر پٹی باندھ کر فوراً شکایت کی پٹی باندھ لی ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا بہت کم گفتگو کرتی تھیں۔ خود تو وہ کسی سے کلام بھی نہیں کرتی تھیں۔ اکثر معتقدین آ جاتے سوالات کرتے رہتے تو آپ رحمتہ اللہ علیہا مختصر جواب دیتیں اور جواب بھی قرآنی آیت پڑھ کر دیتی اکثر لوگ ان سے کہتے کہ آپ رحمتہ اللہ علیہا اس طرح جواب کیوں دیتی ہیں تو آپ رحمتہ اللہ علیہا فرماتی وہ اس لیے کہ انسان جو کچھ بولتا ہے فرشتے اسے اسی وقت لکھ لیتے ہیں۔ میں اس لیے قرآن کی آیتوں کے سوا کچھ نہیں بولتی کیونکہ کہیں میرے منہ سے بری بات نہ نکل جائے جسے فرشتے لکھ لیں۔ اس لیے میں آیتیں ہی پڑھتی ہوں اور فرشتے وہ آیتیں ہی لکھ لیتے ہیں۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے ایک فقرے کی بہت عمدہ تشریح کی ہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے سوال کیا گیا کہ جنت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ۔نے جواب دیا۔

پہلے ہمسایہ ..... پھر مکان۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ تشریح فرماتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں خدا کو نہیں پہچانا وہ اگلے جہاں میں بھی اس کے دیدار سے محروم رہے گا اور جو کوئی یہاں معرفت انبساط سے نا آشنا رہتا ہے وہ وہاں بھی رویت کا سرور حاصل نہ کر سکے گا۔ جو اس نے دنیا میں اس کی دوستی کا بیج بویا نہیں ہو۔ وہ آخرت میں بھی خدا سے التجا نہ کر سکے گا۔ میں نے بویا نہیں وہ کاٹ بھی نہیں سکتا۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا سے سوال کیا گیا کہ انہوں نے ولایت کا مرتبہ کیسے حاصل کیا ہے۔

انہوں نے جواب دیا۔

ان چیزوں کو ترک کر دینے سے جس کا مجھ سے کچھ یقین نہیں۔

وہ فرمایا کرتی تھیں اللہ سے محبت اور عشق اللہ کے عاشق کو غیر اللہ سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ ہر حبیب اپنے محبوب کے قرب کا متمنی ہوتا ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے اپنی ریاضت علم سیکھنے کے کمال اور زہد و عبادت سے ایسا مقام پا لیا تھا کہ انؐ کے عہد کے بڑے

بڑے زاہدان کے پاس بیٹھنا اور ان کی گفتگو سننا اپنے لیے ایک شرف سمجھتے تھے۔

کم عمر اور بزرگ بھی جو علم و تصوف میں ان سے آگے تھے۔ وہ ان کی مجلس میں مودب ہو کر رہتے اور انہی کی باتوں پر دھیان رکھتے اور واقعات جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے۔

عشق الٰہی کا راستہ بظاہر انسان کی ذات تک محدود نظر آتا ہے اور یہ اعتراض بھی اٹھایا جاتا ہے کہ اس سے دوسروں کو کیا فائدہ؟ حقیقت یہ ہے کہ عشق الٰہی کے راہی اپنے روحانی فیض سے اپنے عہد ہی میں نہیں بعد میں آنے والوں کے لیے بھی دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا ذریعہ بنتے ہیں۔ زندگی روح اور جسم پر مشتمل ہے، دونوں کی صحت خوشگوار زندگی کے لیے ضروری ہے۔ مادی معاملات سے دنیا میں بہتری ملتی ہے اور روحانی معاملات سے قلبی سکون ہوتا ہے۔ اس زمین پر ہماری زندگی مختصر اور فانی ہے جبکہ آخرت کی زندگی دائمی ہے۔ لہٰذا اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہوئے فہم و فراست یقینی طور پر اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ عارضی زندگی کے لیے دائمی زندگی کو داؤ پر لگانا قطعاً دانشمندی نہیں البتہ اگر دائمی زندگی کے لیے عارضی زندگی داؤ پر بھی لگ جائے تو کوئی ہرج نہیں۔ اعلیٰ انسانی نفوس تو بہر حال خدا آخرت اور روحانی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں لیکن عام انسانوں کے لیے دنیاوی زندگی میں بہت زیادہ کشش ہوتی ہے لہٰذا ان کے لیے اعتدال کا راستہ تجویز کیا گیا ہے تاکہ اس دنیا کا مادی نظام بھی جاری رہے۔ دین اور دنیا میں توازن ہی عوام الناس کے لیے بہترین

راستہ ہے۔

دونوں راستوں کے بارے میں معلومات ضرور حاصل ہونی چاہئیں تاکہ انسان اپنی ہمت اور مزاج کے مطابق راہ عمل منتخب کر سکے۔

قرآن حکیم کو الہامی کتاب تسلیم کرنے کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا شرط ہے۔ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ہمیں توحید خداوندی سے آگاہی ملی اور قرآن حکیم ہم تک پہنچا۔ جو شخص توحید خداوندی سے رشتہ جوڑتا ہے اس کا تعلق خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا کے کلام سے خود بخود جڑ جاتا ہے کیونکہ منزل مراد تو قرب خداوندی ہی ہے۔ اپنی خدا داد صلاحیتوں کا بہترین استعمال ہی بندگی ہے۔ نفسانی خواہشات کی پیروی اور اپنے علم و عمل پر تکبر ہلاکت انگیز ہے۔ نفس کی پاکیزگی کے بغیر حقیقت کا ادراک ممکن نہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح اولیائے کرام رحمتہ اللہ علیہ بھی تزکیہ نفس پر زور دیتے ہیں من صاف ہو گا تو گلے شکوے بھی جاتے رہیں گے خدا اور مخلوق سے شکایت کی بجائے اپنی کوتاہیوں پر نظر رکھنے خدا سے تعلق جوڑے اور مخلوق خدا کی بھلائی کا خیال رکھنے ہی میں عظمت اور نجات ہے۔

حقیقت تک رسائی کی جدوجہد انسانی فریضہ ہے، نتائج اور قبولیت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ طویل ترین فاصلوں کا سفر بھی پہلا قدم اٹھانے سے ہی طے کیا جا سکتا ہے۔ اپنے بزرگوں کی زندگی کے حالات کا مطالعہ ہماری زندگی کو پرسکون بنا سکتا ہے۔

شعر

ملا ہو کہ ملحد ہو، ممکن ہی نہیں اس کو
اسلام کے دامن کی وسعت کا ہو اندازہ

خواہش کے تو پر کاٹ کے رکھ دیتے ہیں صوفی
سوچوں کا مگر قید پرندہ نہیں رکھتے

ایک مرتبہ سات دن رات آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فاقہ کیا یہاں تک کہ نیند کے لیے پلک تک بھی نہ جھپکی۔ ساتویں روز بھوک نے بے حد غلبہ کیا اور آپ بے بس ہو گئیں۔ نفس نے فریاد کی کہ اے رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا تو کب تک مجھے تکلیف دے گی۔

اچانک کسی شخص نے آ کر کھانا پیش کیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہا نے کھانا لے لیا اور چراغ جلانے لگی اتنے میں بلی آئی اور اس نے کھانا الٹ دیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہا نے پانی کا کوزہ اٹھایا تا کہ پانی ہی پی لیں۔ مگر چراغ بجھ گیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہا نے اندھیرے ہی میں پانی پی کر روزہ کھولنا چاہا مگر اتفاق سے کوزہ بھی گر کر ٹوٹ گیا۔ اور پانی بھی بہہ گیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہا افسردہ ہو گئیں اور دعا کی اے رب کعبہ یہ کیا بھید ہے؟

اسی وقت غیب سے آواز آئی۔ اے رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا اگر تو چاہتی ہے کہ دنیا کی نعمتیں تیرے لیے وقف کر دوں تو پھر میں تیرے دل سے اپنا غم واپس لے لوں گا۔ کیونکہ میری لگن اور دنیا کی نعمت ایک ہی دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

اے رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا تیری بھی ایک مراد ہے۔ میری بھی ایک مراد ہے دونوں مرادیں ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ جب میں نے یہ آواز سنی تو دنیا سے اپنے دل کو بالکل الگ کر لیا اور دنیا کی امیدیں چھوڑ دیں۔ ہر نماز کو میں نے آخری نماز سمجھا اور دنیا سے یوں علیحدگی اختیار کر لی کہ جب دن ہوتا ہے اس خوف سے مبادا لوگ مجھے اپنے ساتھ مشغول نہ کر لیں۔

دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے ہی فکر میں مصروف رکھے تا کہ اس کے خیال سے مجھے کوئی نہ روک سکے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جس منزل کی مسافر تھی اس تک کسی عام شخص کیا بیشتر اہل عمل کی بھی رسائل ناممکن ہے آپ اندازہ فرمائیں کہ جس خاتون کے پاس حضرت مالک بن دینار، سفیان ثوری جیسے بزرگ اور زاہد تعلیم کے لیے آتے ہوں اس کا مقام کیا ہو گا۔ یہ اسرار و شہود کے معاملات ایسے ہیں کہ ان میں بڑے بڑے علم والے بھی بھٹک جاتے ہیں اور سلوک کا راستہ تو ایسا ہے جس کے قدم قدم پر تشکیک کا مقام آتا ہے۔ اگر کوئی عارف و زاہد اپنے ظرف کو قابو میں رکھے تو ان اسرار و شہود سے پردہ اٹھتا ہے۔ مگر حاسدان تیرہ بخت یا تشکیک کی دلدل میں پھنسے ہوئے لوگ مختلف حیلوں بہانوں سے شکوک کو ہوا دیتے ہیں اور یوں دراصل اپنی ذہنیت کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے مقام کو سمجھنے کے لیے پہلے اپنے قلب کی صفائی ضروری ہے اور

اپنے ذہن کے خلجان کا نکالنا ضروری ہے حضرت رابعہ بصری عابد شب زندہ دار تھیں تمام رات میں کئی سو رکعت نماز ادا کرتی تھیں۔ بعد فجر کی نماز کے بعد ذرا سا توقف فرماتیں۔ اور جائے نماز پر کچھ دیر کے لیے یونہی بیٹھی رہتیں۔ اس عالم میں اگر آنکھ لگنے لگتی یا اونگھ آ جاتی تو یک بیک اچھل پڑتیں اور اپنے نفس کو بہت برا کہتیں کہ کب تک خواب غفلت میں رہے گا اے نفس! کیا تجھے معلوم نہیں کہ موت سر پر کھڑی ہے نہ معلوم کب وقت آ جائے ایک روز حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کہیں سے گزر رہی تھیں تو دیکھا وہاں ایک شخص جنت کا ذکر کر رہا ہے۔

آپ رحمتہ اللہ علیہا رک گئیں اور کہا۔"میاں خدا سے ڈرو تم کب تک بندگان خدا کو خدا کی محبت سے غافل رکھو گے تم کو چاہیے کہ پہلے اپنے خدا کی محبت کی تعلیم دو اور پھر جنت کا شوق دلاؤ۔"

اس شخص نے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی بات سنی تو ناک چڑھائی اور غصے سے کہا اے دیوانی جا...... اپنا راستہ لے۔

میں تو دیوانی نہیں مگر تو دیوانہ ضرور ہے کہ راز کی بات نہ سمجھ سکا۔

ارے جنت تو قید خانہ ہے اور مصیبت کا گھر ہے کہ اگر وہاں اللہ تعالیٰ کا قرب میسر نہ ہو۔ کیا تم نے حضرت آدم علیہ السلام کا حال نہیں سنا کہ جب تک ان پر خدا کا سایہ رہا کیسے آرام سے جنت میں میوہ خوری کرتے رہے اور جس وقت خطا کر بیٹھے اور شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا تو خدا کی شفقت کا سایہ سر سے اٹھ گیا، تو وہی جنت حضرت آدم علیہ السلام کے لیے قید خانہ اور مصیبت کا گھر بن کر رہ گئی۔

پھر کہا: کیا تمہیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا حال معلوم نہیں کہ جب وہ محبت الٰہی میں پورا اترتے اور آگ میں ڈالے گئے تو وہ آگ ان کے لیے جنت و عافیت بن گئی پس پہلے جنت کے مالک سے محبت پیدا کرو۔ پھر جنت میں جانے کی آرزو کرو۔ ایسی جنت میں جا کر کیا لو گے، جہاں تم پر اللہ تعالیٰ کا سایہ نہ ہو۔ اگر جنت کسی مشتاق کو مل جائے۔ مگر وہاں دیدار الٰہی نصیب نہ ہو تو ایسی جنت کس کام کی اور اگر عاشقوں کو دوزخ ملے اور وہاں دیدار الٰہی نصیب ہو تو ایسی دوزخ اس طرح کی جنت سے لاکھ درجے بہتر ہے، اسے شوق سے لے لو۔ دنیا و مافیا میں اور اس ساری کائنات میں اگر کچھ ہے تو وہ عشق الٰہی ہے۔

اقوال

☆ میں اس بات سے ڈرتی ہوں کہ مرنے کے وقت اللہ تعالیٰ یہ نہ کہہ دیں کہ تو ہماری درگاہ کے لائق نہیں۔

☆ مجھے ثواب کی امید اس وقت ہوتی ہے جب اپنے نیک اعمال و عبادات کو کم خیال کرتی ہوں کیونکہ اس وقت میرا اعتماد محض اللہ کے فضل پر ہوتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ سے قناعت پسند دل مانگو، یہ بہت بڑی نعمت ہے۔

☆ خود بینی کی توبہ ایک دوسری توبہ کی محتاج ہے۔

☆ اگر دوزخ اور جنت نہ ہوں تو کیا اللہ تعالیٰ اس لائق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔

☆ اگر تم دنیا سے فارغ ہو تو دنیا کی بھلائی برائی کی تمہیں پروا نہیں ہو سکتی۔

☆ محبت ازلی اور ابدی ہے۔

☆ دل کو قابو میں رکھنا اور اختیار ہونے پر ناجائز خواہشوں کو روکنا بہادری ہے۔

☆ پانی میں چلنا مچھلی کا کام ہے ہوا میں اڑنا مکھی کا کرامت ان دونوں سے باہر ہے۔

☆ جب بندہ نعمت پر شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت پر بھی شکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندہ سے راضی ہوتے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ جب کسی کو توبہ کی توفیق دیتا ہے تو انسان توبہ کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔

☆ جب سے میں نے ایسی ذات (اللہ) کو جو باوجود گناہ کے روزی بند نہیں کرتا اور اپنے عاشقوں کو بے آب و دانہ زندہ رکھتا ہے، پہچان لیا ہے غیر خدا سے امید رکھنی چھوڑ دی ہے۔

وفات

جس طرح حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے سال ولادت سے متعلق مورخین و محققین میں اختلاف رائے ہے اسی طرح وفات سے متعلق بھی ان کے اقوال مختلف ہیں۔ علاوہ بریں ان میں سے بیشتر ایسے ہیں جنہوں نے تاریخ وفات کا ذکر ہی نہیں کیا، یا وہ پتا نہ لگا سکے۔ بہرحال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے بڑی طویل عمر پائی۔ چونکہ اس کی زندگی مجاہدات اور خیر و تقویٰ سے بھرپور تھی اس لیے وہ ام الخیر کہلائی بلکہ اس کی شب بیداری نے اسے دہری عمر عطا کر دی۔

ابن خلکان، ابن شاکر، ابن عماد حنبلی نے بیان کیا ہے کہ اس کی وفات 185ھ میں ہوئی بعض مورخین تاریخ رحلت 180ھ بیان کرتے ہیں۔ مناوی نے طبقات الصوفیہ، میں ایسا ہی لکھا ہے۔ تصوف و سوانح کی مشہور کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا روحانی

زندگی کے آخری مراحل میں بیماری و سوزش عشق سے بڑی تکان محسوس کرتی تھی۔ وہ روتی رہتی تھی، تکلیف سے نہیں بلکہ حسب عادت۔ ایک دن کسی نے پوچھا۔

''حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا تو کیوں روتی اور آہ و واویلا کرتی ہے؟''

اس نے جواب دیا۔

''افسوس! جو بیماری مجھے ہے اس کا علاج کوئی طبیب نہیں کر سکتا۔ اس کی دوا تو دیدار خدا ہے۔ میں جو یہ تکالیف برداشت کر رہی ہوں صرف اس امید پر کہ آخرت میں مقصود پا لوں گی۔''

اس کے ایک بھائی نے با اصرار اسے رونے سے روکا تو اس نے کہا۔

''میں ڈرتی ہوں، کہیں آخری گھڑی یہ آواز بلند نہ ہو جائے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا ہمارے سامنے کھڑے ہونے کے قابل نہیں۔''

وہ انتہائی گرمی کے دنوں میں گوشہ نشین رہتی۔ ایک دن اس کی خادمہ اور مخلص سہیلی نے کہا۔

''میری مالکہ! اس گوشہ نشینی کو چھوڑ دو۔ میرے ساتھ چلو۔ آؤ قدرت الٰہی کی نشانیاں دیکھیں۔''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے کہا۔ ''بلکہ تو اندر آ جا اور قدرت کا نظارہ کر۔''

پھر کہنے لگی۔

''میرا مقصود تو نظارہ قدرت ہے جہاں کہیں بھی ہو۔''

وہ ہر چیز میں قدرت کا نظارہ کرتی۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا گوشہ نشینی کے دنوں میں بھی نظارۂ قدرت سے باز نہ رہی۔ وہ اپنے ماحول میں قدرت کے کرشمے دیکھتی اور ماورائے وجود میں منہمک ہو جاتی تھی۔

جب خلوت میں جاتی تو دیر تک عبادت کرتی رہتی۔ نہ بیماری کی پرواہ کرتی نہ تکلیف کی۔ اس کی تندرستی تو صلوٰۃ و تسبیح میں تھی۔ یہ دعا وہ اکثر خلوت گاہ میں پڑھا کرتی تھی۔

''اے میرے آقا! مقرب بندے خلوتوں میں تیرا قرب ڈھونڈتے ہیں تیری عظمت کے گیت سمندر میں مچھلیاں گاتی ہیں اور تیرے مقدس جلال کی وجہ سے موجیں ایک دوسری سے ٹکراتی ہیں۔

''دن کی روشنی، رات کی تاریکی، گھومنے والے آسمان، بحر زخار، منور چاند، چمکیلے تارے سب تیرے سامنے سجدہ کرتے ہیں اور ہر چیز ایک انداز کے مطابق ہے کیونکہ تو علی اور قہار ہے......''

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا جسم بیمار رہنے اور گھلنے لگا مگر دل بیدار ہوتا چلا گیا کیونکہ وہ خیال کرتی تھی کہ راہ خداوندی میں مختلف مقامات کا امتیاز نظر سے دشوار اور زبان کے ذریعے سے وہاں تک رسائی مشکل ہے۔ اس لیے صوفی کا دل ہمیشہ بیدار رہنا چاہیے تاکہ وہ دل کی آنکھوں سے راستہ دیکھ کر مقامات تک پہنچ سکے۔

وہ ہفتہ بھر میں تھوڑا سا کھاتی تھی کیونکہ بیماریوں کے باوجود رات دن نماز تسبیح میں مشغول رہتی تھی۔ جب عبادت کا بوجھ نہ اٹھتا اور بھوک ستاتی تو پنڈلیاں جواب دے جاتیں اور تمام اعضاء ٹوٹنے لگتے۔ اس وقت

تھوڑا سا کھانے کے لیے راضی ہو جاتی۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا گوشت نہیں، سبزی کھاتی تھی۔ اس بارے میں وہ اپنے ہمدم برماح ب عمر قیسی کے مسلک پر چلتی تھی۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا گوشہ عزلت سے بہت کم نکلتی۔ جب اس کی قوم کا کوئی آدمی مل جاتا اور پہچان لیتا تو اس سے دعا کا طالب ہوتا۔ وہ پریشان ہو کر دیوار یا ستون سے چمٹ کر کھڑی ہو جاتی اور سائل کو اس طرح جھڑکتی۔

"میں کون ہوں، اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے خدا کی بندگی کر اور دعا مانگ کیونکہ وہ پریشان حال کی دعا سنتا ہے۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا لوگوں کو صاحب کرامات کہنے کے بارے میں روکتی تھی کیونکہ کرامات سے ڈرتی تھی کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اسے خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ بنا لیں اس لیے مجاہدات کی تلقین کرتی اور کہتی "عبادت کرو، خدا سنے گا۔"

جب بیماری سخت ہو گئی تو وہ گھر میں پڑی رہنے لگی۔ صوفی مرد و زن اور معتقدین ہر روز عیادت کے لیے آتے تاکہ اس کی زندگی سے قلوب مطمئن کریں جب وہ کوئی بات دریافت کرتے تو رو پڑتی۔ آنسو رخساروں پر بہنے لگتے اور کبھی اس قدر روتی کہ سینے پر اور سامنے اشکوں کا تار بندھ جاتا۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے چھوٹے سے گھر میں فارسی بانس کی دو گزی لٹکن کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس پر بھی اس کا کفن پڑا رہتا تھا

تا کہ ہمیشہ آخرت کی یاد دلاتا رہے۔ بستر کچی اینٹوں کا تھا۔ جس پر وہ سوتی اور نماز پڑھتی تھی۔ کبھی زمین پر چٹائی یا پرانا چمڑا بچھا لیتی تھی۔ زندگی کے آخری دنوں میں کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ جب موت کے نزدیک آ جانے کا احساس ہو گیا تو خادمہ عبدہ بنت ابی شوال کو وصیت کر دی کہ وفات کا علم کسی کو نہ ہو، بالوں کا جبہ، جو اوڑھتی ہے، اسی کا کفن دیا جائے اور سر اس کی صوفیانہ کالی چادر سے ڈھانپ دیا جائے۔ جب دم نزع آ پہنچا تو اس کے پاس کچھ دوست، مرید اور معتقد بیٹھے تھے، ان سے کہنے لگی۔

اس لیے وہ غمگین واپس ہوئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر سننے لگے۔ جب اس کی روح خالق سے جا ملی تو وہ کلمہ شہادت پڑھ رہی تھی۔ لوگ اس کی طرف بڑھے اس حال میں کہ آنسو ان کی غمگین آنکھوں سے جاری تھے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ دوستوں اور پڑوسیوں نے کفن دفن کیا اور چشم پرنم سے نماز جنازہ پڑھی۔

اس کی قبر سے متعلق مورخین اور راویوں میں اختلاف ہے جس طرح وہ اس کے سوانح اور اصل و نسب کے بارے میں مختلف ہیں کیونکہ اس کی ہم نام عابدہ و زاہدہ بہت سی عورتیں گزری ہیں جیسے حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا شامیہ وغیرہ۔ میرے خیال میں حقیقت تک رسائی یا قوت حموی اور ابن بطوطہ جیسے محقق مورخین کو ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

یہ بات طبعاً قرین قیاس ہے۔ رہیں وہ دو قبریں، جو اس کے نام سے مشہور ہیں یعنی ایک وہ جو بیت المقدس کے قرب و جوار میں ہے اور

دوسری وہ جو دمشق کے محلے قمیریہ میں واقع ہے، یہ علی الترتیب رابعہ بدویہ اور رابعہ شامیہ کی ہیں جو اسی کی طرح مشہور تھیں۔

اصل میں یہ دونوں صالح خواتین حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے بعد گزری ہیں۔ جو اس کے ہم نام تھیں۔ جیسے ہم آج کل بھی مشہور لوگوں کے نام رکھ لیتے ہیں۔ دیکھیے قدیم و جدید محققین و مورخین اس بارے میں کس قدر مختلف البیان ہیں کہ سیدہ زینب کی قبر مصر میں ہے یا حجاز و دمشق میں کیونکہ ان تینوں مقامات میں سیدہ زینب ایک مقدس مقام ہے جہاں عوام و خواص آتے اور عرس وغیرہ کرتے ہیں۔

مختلف شہروں میں مختلف انبیاء علیہ السلام و اولیاء کرام رضی اللہ عنہ کی قبریں پائی جاتی ہیں۔ ہر سرزمین یہ شرف اپنی طرف منسوب کرنے کی کوشش کرتی ہے جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام کہ ان کا مزار مبارک دمشق بیروت اور صیداء تینوں شہروں میں ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کا مزار قاہرہ میں جامع ازہر شریف کے قریب بھی ہے اور دمشق کی مسجد اموی میں بھی۔

بلاشبہ ان حضرات کے پاک اجسام کے حصے شورشوں کی وجہ سے مختلف شہروں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ مگر ان قبروں سے کیا فائدہ جو طول زمانہ سے فنا ہو جانے والی ہیں۔ قابل اعتماد تو وہ قبریں ہیں جو زندہ لوگوں کے سینوں میں یا کتابوں کے صفحات میں ہیں گو زمانے گزر چکے ہیں اور گزرتے رہیں گے۔

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا عدویہ جس نے صوفیانہ مذہب میں

حسب الٰہی کی بدعت قائم کی اور جس نے روح کی پاکیزگی اور بشریت کے لیے تہذیب آموز تعلیمات چھوڑی ہیں، ہم اس کی یاد کو ابد لاباد تک اس کے پیروؤں کے یہاں زندہ پاتے ہیں جو صوفی باصفا ہیں اور اس کے آداب سے مزین ہیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کی فضیلت کے لیے یہ کیا کم ہے کہ اس نے صلحا و مخلصین کے لیے ایک بلند مثال قائم کرنے میں سبقت کی۔ وہ بصیرت، معرفت اور ایمان پر زندگی بسر کر کے عورتوں کے لیے عزت و مدحت کا ایک ایسا باب کشادہ کر گئی جو کبھی بند نہ کیا جا سکے گا۔ آخر وہ بھی ایک عورت ہی تھی جو متقیوں کی صف میں سب سے پیش پیش اور عبادت و دیانت میں عورتوں کے لیے واضح دلیل ہے۔